قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی

بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ

ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF DEOBAND

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

دفتر ماہنامہ

ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ ندائے دار العلوم وقف دیوبند

جلد نمبر ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ مطابق جنوری ۲۰۲۴ء شمارہ نمبر ۷

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

مدیر

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

فی شمارہ	۲۵/روپے
سالانہ علاوہ ڈاک خرچ	۲۵۰/روپے
سالانہ مع ڈاک خرچ	۳۲۵/روپے
تاعمر	۵۰۰۰/روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے آپ کی مدت خریداری مکمل ہوچکی، رسالہ جاری رکھنے کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔

شائع کردہ : شعبۂ نشر واشاعت، دار العلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND
SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554
Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

☆ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ قانونی چارہ جوئی کا حق صرف مقامی عدالت کو ہوگا۔

اس شمارے میں

اداریہ

گوشِ عالم میں مچلتی ہے نوائے واقترب	حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب	۳

بحث و تحقیق

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ......	مولانا غلام نبی قاسمیؒ	۹

مقالات و مضامین

حضرت حکیم الاسلامؒ: چند یادیں...	حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتویؒ	۱۱
طلاق کے بارے میں سپریم کورٹ کے...	مولانا عتیق احمد بستوی	۱۵
محبت رسول ﷺ کی چار بنیادی وجوہات	مولانا محمد الیاس گھمن	۱۹
انہیںؐ کے واسطے گویا دہن میں ہے زباں اپنی	جناب سلمان غازی	۲۲
ٹیاورس اور ہماری شرعی ذمہ داری	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۲۷
دینی مکاتب قائم کیجئے	مولانا امانت علی قاسمی	۳۴
علم کی اہمت وفضیلت	مولانا محمد اسجد عقابی	۴۰
امام ابوحنیفہؒ کی وحدانیات: ایک جائزہ	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۴۴
حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی....	مولانا سیف الرحمٰن ندوی	۴۸
قرآن کریم کی طب سے متعلق آیات...	ڈاکٹر فہد انور	۵۳
شخصیت سازی: چند بنیادی اصول	محمد ارشد ربانی	۵۶
علم کلام جدید	حکیم فخر الاسلام	۵۷

خبر نامہ

احوال وکوائف	ادارہ	۶۱

ماہنامہ "ندائے دارالعلوم" دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ Website: www.dud.edu.in

نوٹ: خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقات دفتر ۸ تا ۲ بجے ہی رابطہ کریں۔ +91 8439512767, +91 8439412767

اداریہ

گوشِ عالم میں مچلتی ہے نوائے واقترب

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ ❖

ذات حق جل مجدہ نے قرآن کریم میں مختلف مضامین وقصص کے ذیل میں متعدد انبیائے کرام کا ذکر کیا ہے حسب موقع کسی کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ ہے کسی کا بہت تفصیل کے ساتھ بیانیہ ہے اور کسی کا ربط مضمون کے ضمن میں اختصار کے ساتھ ذکر آیا ہے، از آدم تا آخر دم بنی نوع انسانی میں کمال تقدس کی حامل ان پاکیزہ ترین نفوس قدسیہ کے ذکر کا محوری مقصد خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو جہاں ایک طرف سابقہ انبیاء مرسلین پر گذرے احوال و واقعات سے باخبر کرنا تسلی دینا اور کار رسالت میں آپ کی ہمت و حوصلوں اور عدیم المثال صفت شجاعت کو استقامت بخشتے ہوئے منتہائے کمال سے ہمکنار کرنا تھا وہیں آپ کے وسیلے سے آپ کی امت کو عبر و نصائح کی راہ سے فلاح ونجاح کے مستقیم راستے سے انذار وتبشیر کی معرفت و آگہی بھی عطاء کرنا تھی، کتاب ہدایت کی حیثیت سے کلام الٰہی کے ہمہ انواع و ہمہ جہت مضامین کے ضمن میں انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے ادوار کی اقوام وملل کے افکار ونظریات اعمال وافعال کے منطقی نتائج کا کوئی گوشہ و پہلو ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی نوعیت و کیفیت سے درس ہدایت یا سبق عبرت سے مربوط نہ ہو، روایات کے مطابق کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل حق تعالیٰ جل مجدہ نے نوع انسان کی ہدایت وفلاح کے ہمہ گیر و ہمہ رُخ مقصدی اہداف کے پس منظر میں اس عالم کون و مکاں کے مختلف خطوں علاقوں میں ہر ایک قوم وملت کے درمیان مبعوث فرمائے، اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (۱) وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۲) (یقیناً ہم نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو) حسب موقع جاری مضمون کے سیاق سباق میں مختلف طرز ادا اور اسالیب میں اس روشن حقیقت کو واضح کیا ہے، ولکل قوم

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) سورۂ بقرہ، آیت: ۱۱۹
(۲) سورۂ فاطر، آیت: ۲۴

ھاد (۱) (ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے) از روئے احادیث اور تاریخ و سیر کے حوالوں سے سلسلۂ انبیاء میں از روئے مشیئت رب گاہ بہ گاہ اس قسم کی نوعیت بھی سامنے آتی ہے کہ بعض ادوار ایسے بھی گذرے ہیں جس میں ایک ہی علاقے میں پائی جانے والی دو مختلف قوموں کے درمیان دو الگ الگ شخصیات کو منصب نبوت سے سرفراز فرما کر کار رسالت کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں ہیں البتہ نبی اول الزماں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام انبیائے مرسلین کے درمیان قدر مشترک ابدائی مقصد کی خشت اساس ذات حق جل مجدہ کی صفت وحدانیت و یکتائی کی تعلیم پر دائر ہے جو اسلام کے معترضین کے اس اعتراض (اسلام صرف چودہ سو سال پرانا مذہب ہے جبکہ بہ لحاظ زمانہ اس سے قدیم تر مذاہب اپنی قدامت کے سبب اسلام پر متفوق و مقدم حیثیت رکھتے ہیں) پر دلیل قاطع ہے کہ تعلیمات آدم سے ابتداء پانے والا یہ دین اسلام ہی ہے جو نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر اپنے کمال ارتقاء کی بلندیوں سے ہمکنار ہو کر بہ کلام رب العالمین **اليَومَ أَكمَلتُ لَكُم دينَكُم وَأَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتي وَرَضيتُ لَكُمُ الإِسلامَ دينًا** (۲) (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا اِنعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا) جس پر کاملیت و اکملیت اور ابدی اتمام و خاتمیت کی مہر لگا دی گئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام تک انبیائے بنی اسرائیل میں ایک نام حضرت دانیال علیہ السلام کا بھی ملتا ہے، جن کا دور نبوت 600 قبل مسیح ہے، تعبیر خواب ان کے معجزاتی اختصاصات کا ایک اہم جزو ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر کے حوالے سے درج ذیل حدیث پاک ملتی ہے جس سے نبی مذکور کے درجۂ عظمت سے کسی درجہ آگہی حاصل ہوتی ہے۔

عن أبی الأشعث الأحمری، قال: قال رسول الله ﷺ: إن دانيال دعا ربه عزوجل أن تدفنه أمة محمد فلما افتتح أبو موسى الأشعری "تستر" وجده فی تابوت تضرب عروقه و وريده، و قد كان رسول الله ﷺ قال: من دلّ على دانيال فبشّروه بالجنة، فكان الذی دل عليه رجل يقال له: "حرقوص"، فكتب أبو موسى إلى عمر بخبره، فكتب إليه عمر: أن ادفنه و ابعث إلى حرقوص فإن النبی ﷺ بشره بالجنة."

ترجمہ: ابو اشعث احمری سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "حضرت دانیال (علیہ السلام) نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ انہیں امتِ محمدیہ دفن کرے"، جب حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر کا علاقہ فتح کیا تو ان کی نعش مبارک ایک تابوت میں اس حال میں پائی گئی کہ ان

(۱) سورہ رعد، آیت: ۷ (۲) سورۂ مائدہ، آیت: ۳

کی رگیں دھڑک رہی تھیں، اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام فرما گئے ہیں کہ: ''جو دانیال کے بارے میں راہ نمائی کرے، اس کو جنت کی خوشخبری سنادو"، پس جس آدمی نے حضرت دانیال علیہ السلام کے بارے میں آگاہ کیا، اس کو حرقوص کہا جاتا تھا، پھر حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بذریعہ خط اس کی اطلاع دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ان کو دفن کردو اور حرقوص کو یہ پیغام پہنچادو کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کے بارے میں جنت کی خوش خبری دی ہے، البتہ ان کے تفصیلی احوال گُم گشتۂ اوراق ہیں بجز ان جستہ جستہ اسرائیلی روایات کے جو تورات سے ماخوذ بتائے جاتے ہیں، بعض متقدمین و متاخرین کی بیان کردہ روایات کے مطابق یہ وہ وقت ہے جبکہ بخت نصر نے بابل (Babylonia) میں حمورابی کی حکومت کا تختہ الٹ کر اپنی شہنشاہیت کا اعلان کیا تھا، بابلی تہذیب کا شمار قدیم دور کی متمدن عالیشان اور ترقی یافتہ تہذیبوں میں ہوتا تھا، بنی اسرائیل کے ساتھ ایک جنگی معرکہ میں شکست خوردہ اسیران بنی اسرائیل جن کی تعداد کم و بیش 80000 نفوس پر مشتمل بتائی جاتی تھی ان ہی میں شامل حضرت دانیال علیہ السلام بھی شاہ بابل کے سامنے ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے پیش کیے گئے، جہاں دوران اسیری اپنے حسن معاملات اور صداقت کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ جلد رہائی پالی بلکہ شاہی خدمات پر بھی مامور کردیئے گئے اور اپنی فقید المثال ذہانت، ذکاوت، فراست، شجاعت اور قابلیت وصلاحیت کی بناء پر جلد ہی بلندترین مناصب شاہی تک ترقی کر گئے، مرور وقت کے ساتھ اناجیل میں تحریفاتی کتر بیونت کی تحقیقی جستجو سے قطع نظر حضرت دانیال علیہ السلام کے حوالے سے انجیل متی کا یہ قول ایک مضمون کے ذیل میں نظر گزرا اور یہ مختصر سا اقتباس ہی دراصل اس تحریر کا محرک بھی بنا، فرماتے ہیں کہ دنیا جیسے جیسے اپنے منطقی انجام و اختتام کی جانب بڑھے گی ایسے ایسے ہی دنیا میں علم بڑھتا چلا جائے گا ایک طرف اللہ تعالیٰ کے نبی کے حوالے سے یہ قول ہے جبکہ اس کے بالکل مخالف و برعکس مضمون پر مشتمل اس عنوان کے ذیل میں متفق علیہ یہ حدیث ملتی ہے۔

حدثنا هشام بن عروه عن ابيه سمعت عبدالله بن عمرو بن العاص يقول: سمعت رسول الله ﷺ، يقول: إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من الناس، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يترك عالما اتخذ الناس رء وسا جهالا، فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا. (۲)

جریر نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ

(۱) ترمذی شریف، حدیث: ۲۶۵۲

فرماتے تھے: ''اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے چھینتے ہوئے نہیں اٹھائے گا بلکہ وہ علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا حتی کہ جب وہ (لوگوں میں) کسی عالم کو (باقی) نہیں چھوڑے گا تو لوگ (دین کے معاملات میں بھی) جاہلوں کو اپنے سربراہ بنالیں گے۔ان سے (دین کے بارے میں) سوال کیے جائیں گے تو وہ علم کے بغیر فتوے دیں گے، اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، بہ ظاہر مفہوم قول و حدیث ایک دوسرے سے متضاد ہیں، البتہ دونوں کے مابین موافقت و مطابقت کا ایک گوشہ نمایاں ہے، حضرت دانیال علیہ السلام کی زیادتیٔ علم سے مراد کثرت معلومات ہے، لفظ معلومات مجرد جاننے کے ہر ایک گوشہ و پہلو کو محیط ہے خواہ وہ نفع بخش ہو یا غیر نفع بخش ہو، مرتب ہو کہ غیر مرتب ہو، جانے ہوئے امور، علم و آگہی، اطلاعات، واقفیت، تجربہ، علمی لیاقت، کسی چیز کے بارے میں تحقیقات چھان بین اور احوال و اخبار غرض کہ ہمہ جہت مفہوم کو محیط ہے، بخلاف اس کے نفس علم کا دائرۂ مفہوم نفع بخش اور مرتب اشیاء کی تفہیم کا احاطہ کرتا ہے، جس میں عقل تمیز شعور علم و آگہی کی اساس قرار پاتے ہوں یا وہ مباحث جن کے مقدمات و نتائج یقین کی بنیاد پر دائر ہوں، یا مرتب شدہ مباحث کا وہ مجموعہ جو کسی خاص موضوع سے کسی خاص حیثیت اور اعتبار سے یا اس کے چند عوارض ذاتیہ کے پیش نظر بحث کی جائے اور متعلقہ قضایا (مسائل) دلیل کے ساتھ بیان کئے جائیں، علی سبیل المثال علم طب ہے کہ اس کا موضوع جسم انسانی اور اس کے عوارض سے بحث کرتا ہے، علیٰ ھذا القیاس دیگر تمام علوم ہیں، اس کے علاوہ کسی خاص فن کی ماہیت یا واقفیت یا کوئی ہنر و جوہر وغیرہ علم کے تعریفی اوصاف کے عناصر کہلاتے ہیں، چنانچہ علم و معلومات کے اس عنصری فرق کے پس منظر میں بہر دو حدیث و قول کے درمیان تطبیق بایں طور ہوتی ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی کثرت علم سے مراد زیادتیٔ علم ہے جس کا حاصل یہ کہ دنیا کا آخری دور معلومات کے ایک سیلابی طوفان سے عبارت ہوگا، جبکہ اسی اختتامی عہد کے بارے میں روایت کردہ حدیث مذکور سے علم دین و شریعت مراد ہے، فضلوا و اضلوا اس ناحیہ فکر پر مستدل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم کیونکہ ایک معنوی صفت ہے تو یہاں پر علم اٹھائے جانے سے مراد نفس علم نہیں بلکہ اہل علم اصحاب شریعت کے اٹھ جانے کے بعد اس منصب باعظمت پر دنیا کے حریص جہلاء بشکل علماء قابض ہو جائیں گے جو سنجیدہ اور مہذب حلقہ ہائے علم و آگہی میں بہ لحاظ عرف علماءِ سوء سے تعبیر کیے جائیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کی بھی برگشتگی کا ذریعہ بن جائیں گے، عہد معاصر کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ عصر حاضر کثرت معلومات کا ایک ایسا دور ہے جس کی اس سے قبل کوئی نظیر تاریخ بنی نوع انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے اگرچہ بنی نوع انسانی کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جو اپنے عہد کے تدریجی ارتقاء کے عناصر سے عبارت نہ ہو لیکن اس کے تاثیری آثار کے حدود و قیود کسی خاص علاقہ میں

منحصر رہے، جبکہ آج کے دور ارتقاء کے تحقیقی نتائج و آثار زیرِ زمین سے لیکر دیگر سیارات کو بھی اپنی دسترس میں لانے کی جھو دومساعی پر قائم ہیں۔

ایک تجزیاتی رپورٹ کی رو سے حکومتوں کی سطح پر جمع شدہ اعداد وشمار کے مطابق شرح پیدائش و اموات کے عالمی حسابی ضابطہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس وقت دنیا کی آبادی کم وبیش نوسو کروڑ یعنی نو ارب نفوس پر مشتمل ہے اگر محتاط انداز میں کم سے کم سطح پر اس اعداد وشمار کا صرف پانچ فیصدی 5% طبقہ ایسا مان لیا جائے جن کی تعداد پینتالیس کروڑ بنتی ہے جو ہمہ وقت انٹرنیٹ پر صرف ایک فل اسکیپ سائز پر اپنی معلومات upload کر رہا ہے جس کا زیادہ سے زیادہ دورانیہ تیس سیکنڈ مان لیا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ ایک منٹ میں نوے کروڑ فل اسکیپ سائز کے معلوماتی صفحات منصۂ شہود پر آرہے ہیں، معلومات کے اس طوفان بلاخیز نے جہاں ایک طرف انسان کے فکر کی وسعتوں کو مثبت تبدیلیوں سے ہمکنار کیا ہے وہیں دوسری طرف حرص و ہوس کے اشد ترین ہمہ رُخ مسائل سے دوچار کر دیا ہے جس کے بعض ناحیوں سے صحتِ انسانی کے مسائل خطرناک حدتک مضرت رساں بن چکے ہیں اور نوبت بایں جارسید کہ اس برق رفتار معلوماتی ترقیات نے انسان کو مصنوعی ذہانت والے دور یعنی Artificial Intelligence میں پہونچا دیا ہے جس کے تیز رفتار بڑھتے رجحان وارتقاء کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ارتقائی ضرورتوں کے منظر نامے میں کہیں انسان کی حیثیت ثانوی ہی ہوکر نہ رہ جائے، اس ارتقائی مسابقت کے روز افزوں میلان کے دوسرے رُخ کا ایک فکری ناحیہ یہ بھی ہے کہ آج کے دور کا انسان ہر بات کو لمحوں، لحظوں اور منٹوں کے دورانیۂ وقت میں فنگر ٹچ کے ذریعہ جاننا چاہتا ہے وہ یہ بھی جاننا چاہتا ہے کہ آسمان پر ستاروں کی تعداد کتنی ہے، وہ یہ بھی خواہش رکھتا ہے کہ بحر و بر سے لے کر ہواؤں وفضاؤں میں ذرات کتنے ہیں، وہ اس بات کو بھی اپنی معلومات کا حصہ بنانا چاہتا ہے کہ دنیا میں حشرات الارض اور درختوں کی اقسام کی تعداد کتنی ہے اور ان کی خصوصیات کیا کیا ہیں، گویا کائنات کی ہر ایک مخلوق اور راز کو جاننے کا حریص ہے، لیکن معلومات کے اس بحر ذخار کی گہرائیوں میں اتر کر ہمہ انواع لعل و جواہر اور سنگ وخشت جمع کر لینے کے باوجود اگر اس کی اپنی یہ حقیقت اس کے فکر و ذہن سے مخفی رہ جاتی ہے کہ اس کا خالق کون ہے؟ اس کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ اس کا مبداء ومعاد کیا ہے؟ کہاں سے آیا اور کہاں جائے گا؟ کیوں آیا ہے اور کیوں واپس جائے گا؟ یہ نعمت حیات کیا ہے، کیوں ہے، کس نے عطاء کی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ معطی حیات کے کمال عظمت وخلاقیت کا انسان کی زندگی میں کیا مقام ہونا چاہیے، اس کے لازمی تقاضے کیا ہیں، اس کی

زندگی کا منطقی انجام کیا فنائے کُل ہے یا موت، حیات دائم کا آغاز وعنوان ہے؟ اور اگر ہے؟ کیوں ہے؟ وعلیٰ ھذا القیاس، اگر لازمۂ معلومات کے یہ پہلو اس کے دائرۂ فکر وذہن سے دانستہ یا نادانستہ طور پر تشنہ و ناتمام رہ جاتے ہیں تو اس کا حاصل بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا ہے کہ دنیا بھر کی معلومات کا یہ طوفان انسان کے لیے شدید تکلیف دہ اور جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے، جس کے مختلف مظاہر سے موجودہ دور کی انسانیت کو سامنا ہے، ہر ایک کام میں سرعت رفتار اس کا مثبت پہلو ہے جبکہ ہمہ انواع معلومات کا ناقابل تحمل بوجھ اور اس کے نتیجہ میں مختلف قسم کے محرکات کا ظہور بلا انقطاع شدید ذہنی دباؤ کا سبب بنتا ہے اور اس کی مختلف نوعیّتوں کے منطقی نتائج کا تعلق اس کے منفی گوشہ سے ہے، جرمنی کے ایک بڑے مشہور ادیب وفلسفی لیسنگ کا قول بڑا مشہور ہے جس کو علامہ اقبال کے نظریۂ حیات کا عکاس کہا جاسکتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر خداوند کریم کے ایک ہاتھ میں صداقت ازلی ہو اور دوسرے ہاتھ میں تلاش حق، اور وہ مجھے اختیار دیں کہ دونوں میں سے کوئی ایک لے لو تو میں بارگاہ رب میں دست بستہ یہی عرض کروں گا کہ اے قادر مطلق! صداقت ازلی کو تو آپ اپنے پاس ہی رکھیے گا اور مجھے تو صرف تلاش حق عطاء فرمادیجیے، کیونکہ آپ کی ذات اقدس تو مطلق حق ہوتے ہوئے بھی حی قیوم ہے، لیکن اگر مجھے معرفت کلی حاصل ہوگئی تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گا اس لیے کہ میری زندگی کا اصل جوہر تو طلب اور کوشش ہے اور وہ اسی صورت میں باقی رہ سکتا ہے جبکہ میری زندگی کا ایک ایک لحظہ وپل تلاش حق میں صرف ہو اور میں تادم آخر اسی میں مشغول رہوں، فکر راست سے عبارت یہ قول علم حقیقی کی تعبیری تشریح کا مظہر ہے۔

حدیث رسول ﷺ اور قول نبی حضرت دانیال علیہ السلام کے مابین اس تطبیق کو عہد رواں میں اس کے مشاہدآ ثار و تجربات کی روشنی میں جاننے سمجھنے کے لیے انسان کے پاس بہت کچھ مواقع بھی ہیں اور وسائل بھی دستیاب ہیں، حق تعالیٰ امت مسلمہ کے لیے قبول صلاحیت کے ساتھ راست فکر راہوں کو روشن فرمادیں۔

گوش عالم میں مچلتی ہے نوائے واقترب
بے اثر ہیں قلب عالم پر خرد کے مسکرات

وماعلینا الا البلاغ المبین

بحث و تحقیق

قسط نمبر:۷۴

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ

کے علوم وافکار کی تشریح وترجمانی ''تقریر دلپذیر'' کی روشنی میں

مولانا غلام نبی قاسمیؒ ❖

اہل علم جانتے ہیں کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی دینی بصیرت اورفرق ضالہ باطلہ کی تردید میں مضبوط عقلی دلائل آپ کا ایک ایسا امتیاز ہے کہ جو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور حجۃ اللہ فی الارض شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے حصہ میں آیا، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند نے بتوفیق ایزدی حضرت نانوتویؒ کی جملہ تصانیف کی تشریح وتسہیل کا عزم کیا ہے۔

افادۂ قارئین کے لیے آغاز حضرت قدس سرہٗ کی مشہور تصنیف ''**تقریر دلپذیر**'' سے کیا جارہا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ اہل علم کو پسند آئے گا۔

محمد شکیب قاسمی
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

بہر حال، یہ نسبت ہی کا خاصہ ہے کہ اس کا وجود اور اس کا تعقّل یعنی سمجھنا اور دو کے سمجھنے پر موقوف ہو۔ جس صورت میں ملاقات ازقسم نسبت ہوئی، تو اگر یوں کہیے کہ جزوِ متوسط طرفین سے ملا ہوا ہے، تو یہ معنی ہوں گے کہ ایک جزو کے ساتھ دو نسبتیں لاحق ہیں۔ مگر ایک شئی کے ساتھ دو نسبت کیا، ہزاروں نسبتیں لاحق ہوسکتی ہیں۔ ایک مفہوم ہزاروں مختلف النسبت قضیوں کا منسوب، یا منسوب الیہ ہوسکتا ہے۔ ایک شی پوری پوری ہزاروں نسبتوں کو اٹھا سکتی ہے۔ دیکھئے! ایک میں، یا تم پوری پوری زمین سے فوق اور آسمان سے تحت ہیں، کسی کے داہنے، کسی کے بائیں، کسی کے آگے، کسی کے پیچھے؛ بلکہ جس قدر فلک الافلاک کے مثلاً نقطے ہیں، اسی قدر ہماری جہتیں ہیں۔ اسی قدر نسبتیں ہمارے ساتھ لاحق ہیں۔ پھر ان نسبتوں میں غور کیا جائے، تو یہ بات عیاں ہے کہ یہ نسبتیں موجبِ انقسام نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ہم پورے ہی پورے فوق ہیں اور پورے ہی پورے تحت۔ علیٰ ہذا القیاس اور نسبتوں کو خیال فرمالیجیے۔ یہ نہیں کہ ہمارا آدھا بدن تو زمین سے فوق ہے اور آدھا بدن آسمان سے تحت۔ سوائے احمق اور کون ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ مگر جب یہ بات ہے کہ تعددِ اضافات وکثرتِ نسب، موجبِ انقسام نہیں ہوتا، تو پھر ملاقات ہی نے کیا تقصیر کی ہے کہ اضافت ہوکر تقاضائے انقسام کرے؟ اگر یوں ہو، تو کیا خرابی ہے کہ مثل قصۂ فوقیت وتحتیت ایک جزو پورا اس

❖ سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

طرف • سے بھی ملا ہوا ہو اور پورا کا پورا اس طرف سے بھی ملا ہوا ہو؟ اور مثل مراتبِ اعداد، باوجود عدمِ انقسام، مانع ملاقاتِ طرفین ہو۔ ہر مرتبہ عُدد مراتبِ سابقہ ولاحقہ کو ملنے بھی نہیں دیتا۔ اور خود منقسم بھی نہیں ہوتا۔ اگر انقسام ہو، تو ہر مرتبہ میں کم سے کم دو ٹکڑے ہوں۔ اور بایں وجہ۔ کہ جیسے پانی کے کتنے ہی چھوٹے ٹکڑے کیجئے، پانی کہلاتا ہے- اجزائے مراتب پر ان ہی مراتب کا نام اطلاق کیا جائے۔ چار اگر تین اور پانچ کے اتصال کے مانع ہونے سے منقسم ہو جائے، تو یہ معنی ہوں کہ سلسلہ عُدد میں دو چار ہیں۔ رہے کسور، ان میں انقسامِ اعداد نہیں ہوتا، انقسامِ معدودات ہوتا ہے۔ چناں چہ ظاہر ہے۔

الحاصل، شبہ مُلاقاتِ اجزاء کو بھی مغالطہ ہی سمجھئے۔ اس صورت میں خواہ مخواہ اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ اجسامِ مشہودہ، اجزائے غیر منقسمہ سے مرکب ہیں۔ پر وہ اجزاء، تعداد میں متناہی ہیں۔ بہ قدر تعداد ان کا انقسام متصور ہے۔

سو اگر کوئی ایسا صدمۂ عظیم اجسام پر واقع ہو، جس سے علاقہٴ باہمی فیما بین اجزاء ٹوٹ جائے، جیسا قیامت کو بعض مذہب والے کہتے ہیں ہوگی، تو بے شک اجزائے غیر منقسمہ تک نوبت پہنچ جائے۔ اگر چہ قیامت کا آنا کچھ اسی پر موقوف نہیں۔ اگر قیامت فنائے کلّی کو کہتے ہیں، تو وہ تو یوں بھی متصور ہے کہ اجسام کو ریزہ ریزہ نہ کیا جائے؛ بلکہ (جیسے) چراغ گل ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے، اسی طرح نقوشِ کائنات، لوحِ ہستی سے مٹ جائیں۔ اور یہ بات- بعد یاد کرنے اس بات کے کہ حقائقِ ممکنہ وہ اشکالِ وجودی ہیں، عین وجود نہیں، وصف خانہ زاد وجود نہیں؛ بلکہ اقترانِ عدمِ خاص سے پارۂ وجود پر ایک شکل عارض ہو جاتی ہے، جو بین الوجود والعدم المذکورین فاصل نظر آتی ہے- کچھ محال نظر نہیں آتی۔ اس لئے کہ اشیائے اجنبیہ کا اقتران اور افتراق دونوں ممکن ہوتے ہیں چناں چہ بارہا معروض ہو چکا ہے۔

اس صورت میں اگر اجزائے غیر منقسمہ کا ہونا باطل ہی ہو اور اجسام بذاتِ خود متصلِ واحد ہی ہوں، تب بھی یہ بات تو واجب التسلیم ہے کہ ان کی حقیقت ایک شکل وجودی ہے، عین وجود، یا وصفِ خانہ زادِ وجود نہیں۔ جو وجود سے جدائی محال ہو۔ اور کیا عجب ہے کہ درصورتِ وجودِ اجزاء بھی اول انفکاک اور افتراق ہو اور پھر انعدام ہو جائے؟ (جاری)

مقالات و مضامین

قسط (۲)

حضرت حکیم الاسلامؒ

چند یادیں چند باتیں

حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتویؒ ❖

اگرچہ تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری کبھی بھی اس عاجز کا میدان نہیں رہا، لیکن حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہ سے غایت درجہ تعلق خاطر اور میرے مربی وشیخ اور استاذ گرامی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی اس ناکارہ پر مسلسل عنایات اور شفقتوں کی بنا پر یہ چند سطور عزیزم مولوی محمد اسامہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو لکھوا رہا ہوں۔ خانوادۂ قاسمی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل عظیم رہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے اپنے زمانے میں اسلام کی عظیم الشان خدمات لیں، چنانچہ حضرت حکیم الاسلامؒ کے جدامجد بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا کام لیا، والد گرامی فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد نانوتوی نوراللہ مرقدہ ہیں، جنہوں نے اپنے عزم وحوصلے، اللہ کی ذات پر یقین، عمل پیہم اور محبت سے دارالعلوم دیوبند کو ایک عظیم الشان دینی تعلیمی ادارے اور تحریک کی حیثیت سے پروان چڑھایا اور خود حکیم الاسلام ہیں جن کے سوز دروں، فکر تعلیم واصلاح امت اور حکیمانہ وداعیانہ انداز تربیت اور فکر وعمل سے لاکھوں لاکھ افراد مستفید ہوکر پورے عالم میں پھیل گئے اور جہاں گئے وہیں انجمن بنادی اور جہل کی تاریکیوں کو نور علم سے منور کردیا، یہاں یہ ذکر کرتا چلوں کہ میرے ابتدائی ایام طفولت ہندوستان کے مشہور شہر حیدرآباد میں گزرے جو ہمیشہ سے علم وادب کا گہوارہ رہا ہے، جہاں تعلیم وتعلم کا ذوق دوسرے ہندوستانی شہروں کے مقابلے پہلے ہی سے زیادہ تھا، اس لیے وہاں پڑھے لکھے لوگ بھی زیادہ تھے، غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت حکیم الاسلام کو اس علاقے میں بہت مقبولیت حاصل تھی کہ علم اور

❖ سابق رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند

نوٹ: یہ مضمون اکتوبر ۲۰۱۶ء میں تحریر کیا گیا تھا، افادہ کی غرض سے اسے بالاقساط شائع کیا جارہا ہے۔

تعلیم و تعلم حضرت حکیم الاسلام کا خاص موضوع تھا، یہی وجہ تھی کہ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ اہل حیدر آباد کی خواہش اور دعوت پر اکثر حیدر آباد تشریف لاتے تھے، میرے والد گرامی جناب حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نانوتوی (فاضل دارالعلوم) نور اللہ مرقدہ اس زمانے میں حیدر آباد میں واقع خیرت آباد کی جامع مسجد میں عرصہ دراز سے امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ نظام کی حکومت میں عہدۂ قضا پر بھی فائز تھے اور علمائے دیوبند کے نہج کے مطابق علاقے کے دینی اور دعوتی تقاضوں کو پورا کرنے میں مصروف کار تھے، انہوں نے علاقے میں دینی تعلیم، عقائد صحیحہ اور دینی فکر کو عام کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر ایک دینی تعلیمی ادارہ ''اشاعت القرآن'' کے نام سے قائم فرمایا تھا جو آج بھی خیرت آباد کی مسجد میں نیچے کے حصے میں جاری ہے اور غالباً سال چہارم تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

اس زمانے میں ہمارے اکابرین دیوبند جو بھی حیدر آباد تشریف لے جاتے ان کا اکثر و بیشتر خطاب خیرت آباد کی مسجد میں ہوتا تھا، حضرت حکیم الاسلام کا تو ہمیشہ ہی وہاں خطاب ہوتا تھا، انہی موقعوں پر مجھے حضرت والا کی زیارت کا شرف حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت کی خدمت کا بھی موقعہ ملتا تھا، کیوں کہ بربنائے عزیز داری ان موقعوں پر حضرت ہمارے گھر ضرور تشریف لاتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ غالباً ۱۹۵۵ء کے اخیر میں حضرت کا حیدر آباد کا ایک دینی دعوتی سفر تھا، اس میں عشاء کی نماز کے بعد ان کا خطاب خیرت آباد کی جامع مسجد میں طے تھا، جس میں حضرت والا نے رحمت اور علم کے موضوع پر خطاب فرمایا، اور سورۂ کہف کی مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَوَجَدَا عَبْداً مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْماً.** اس پر جو مضمون حضرت والا نے بیان فرمایا وہ تو یاد نہیں کیوں کہ میری عمر اس وقت صرف گیارہ یا بارہ سال تھی، البتہ اتنا یاد ہے کہ حضرت بار بار یہ فرماتے کہ رحمت خداوندی علم پر مقدم ہے، اور یہ بھی اس لیے شاید یاد رہ گیا کہ میں مصلے کے پاس والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب بیٹھا تھا، البتہ مجھے یہ بات یاد ہے کہ اس مجمع میں حیدر آباد کے علماء، عمائدین اور بہت ہی پڑھے لکھے حضرات موجود تھے، دوران خطاب تھوڑی دیر میں واہ واہ اور سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اس خطاب کے لیے کئی دن سے تیاریاں زوروں پر تھیں، جن کا محور میرے ابا مرحوم تھے، لوگوں کی حضرت والا سے عقیدت و محبت اور احترام کے جذبات کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا کم از کم مجھ جیسے بے علم اور بے بضاعت شخص کے لیے بہت ہی مشکل ہے۔

مجھے یاد ہے کہ خطاب کے بعد ہمارے گھر پر کھانے کا انتظام تھا، جس میں حضرت کے رفقائے سفر کے علاوہ کئی عمائدین شہر بھی تشریف رکھتے تھے، جن میں جناب حامد عباسی صاحب کا نام نمایاں ہے جو میرے ابا کے متوسلین میں سے تھے، اس موقع پر حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے سفید شیروانی زیب تن

فرمائی ہوئی تھی اور اپنے مخصوص انداز کی ٹوپی سر اقدس پر ایک تاج معلوم ہوتی تھی، ہر انداز سے وقار، حلم، بردباری اور عالمانہ شان نمایاں تھی، آپ کے سراپے کو دیکھ کر یہ لگتا تھا کہ جیسے انسانی شکل میں کوئی فرشتہ آ گیا ہو، زندگی کے ہر انداز سے عظمت کے ہزار پہلو سامنے آتے تھے۔ شعر:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

میں اس زمانے میں حفظ قرآن مکمل کرنے کے بعد ابا مرحوم ہی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا، حضرت سے ابا مرحوم نے درخواست کی کہ بھائی اس کو دیکھ لو کچھ پڑھ بھی رہا ہے، یا نہیں، فرمانے لگے بیٹے کیا پڑھتے ہو، میں نے بتایا، حسب معمول حوصلہ افزائی کے عالی کلمات ارشاد فرمائے اور دعاؤں سے نوازا۔

اس موقع پر اپنے ابا مرحوم کی جو محبت اور گرویدگی حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کے ساتھ دیکھی اس کا نقش ذہن و دماغ پر آج بھی اسی طرح مرتسم ہے، وقت گزرتا گیا، اور حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی زیارت کا موقع حیدرآباد میں بھی اور نانوتہ میں بھی ملتا رہا، حیدرآباد ہی میں میری ابتدائی عربی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، غالباً ۱۹۵۹ء میں ابا مرحوم کے قلب پر وطن مالوف واپسی کا داعیہ شدت اختیار کرنے لگا، کہ بس اب عمر کا باقی حصہ وطن جا کر ہی دینی دعوتی کاموں میں گزاروں گا کہ اہل وطن کا بھی کچھ حق ہے، ان کو اپنے وطن سے غایت درجہ تعلق تھا، اسی لیے انہوں نے وطن مالوف میں ایک وسیع و عریض مکان تعمیر کرایا تھا، باوجود اس کے کہ ان کے متوسلین اور اہل تعلق نے ان کو حیدرآباد ہی میں قیام کے لیے آمادہ کرنا چاہا اور ان پر اصرار بھی کیا، لیکن وہ فیصلہ کر چکے تھے، اس لیے مفوضہ ذمہ داریاں دوسروں کے سپرد کر کے فروری ۱۹۶۰ء میں وہ نانوتہ تشریف لے آئے، میں اس وقت غالباً جماعت سوم میں تھا اور ابا مرحوم کو میری تعلیم کی غایت درجہ فکر تھی، چاہتے تھے کہ میں علوم نبوت اچھی طرح حاصل کروں، مجھے یاد ہے کہ میرے داخلے کے سلسلے میں ابا مرحوم مجھے حضرت حکیم الاسلام کی خدمت میں لے گئے، اور داخلے کے سلسلے میں مشورہ فرمایا، حضرت ہی نے مجھے مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی کے قائم کردہ مدرسے مفتاح العلوم جلال آباد میں داخل کرانے کا مشورہ دیا کہ وہاں ابتدائی درجات کی تعلیم بہت اچھی ہوتی تھی، اس طرح میرا داخلہ مفتاح العلوم میں سال سوم میں ہو گیا۔ وطن مالوف واپسی کے بعد ابا مرحوم نے دینی کاموں کی ابتداء کر دی تھی، لیکن یہاں آ کر ان کی طبیعت مسلسل ناساز رہنے لگی تھی، چنانچہ اسی سال ماہ ستمبر میں وقت موعود آ پہنچا اور تریسٹھ سال کی عمر میں ان کی وفات ہو گئی، جس کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ اس طرح جاری نہ رہ سکا جس طرح ابا مرحوم کی خواہش تھی، البتہ رسمی تعلیم کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح باقی رہا، جلال آباد میں تین سال تعلیم حاصل کی، اسی دوران میں نے دیکھا کہ مفتاح العلوم کے جلسوں میں حضرت حکیم الاسلام تشریف لاتے اور ان ہی کا خطاب عام ہوتا تھا۔

حصول تعلیم کے لیے دار العلوم میں حاضری

غالباً 1962 کے اخیر کی بات ہے کہ اس ناکارہ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، میرا داخلہ دار العلوم میں سال ششم میں ہوا تھا، دار العلوم میں داخلے کے بعد تو الحمدللہ روزانہ ہی حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا، اس لیے کہ میرا کمرہ احاطۂ مولسری میں 2 نمبر تھا، جو ایک لمبے زمانے سے طلبۂ خاندان صدیقی، نانوتہ کا مسکن چلا آتا تھا، اسی کے برابر میں درسگاہ تھی جہاں حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے تھے، اور اگر میرا گھنٹہ خالی ہوتا تو میں بھی آپ کے سبق میں شامل ہوجاتا، تکمیلات کے طلبہ کو پڑھاتے تھے، دوران درس جو مضامین حضرت بیان فرماتے ان کو سن کر طلبہ حیرت واستعجاب میں آجاتے، ایسا لگتا جیسے خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ درس دے رہے ہوں، خاندانی نسبت کی وجہ سے انتہائی درجہ مشفقانہ معاملہ تھا، اور وہی میرے سرپرست تھے، ان کے دولت خانے پر تقریباً روزانہ ہی حاضری ہوتی، بعد نماز عصر مجلس میں پابندی سے شریک ہونا، عموماً اس میں علماء، اساتذہ دار العلوم اور طلبہ ہی شریک ہوتے، یا پھر باہر سے آئے ہوئے مہمانان بھی شریک ہوجاتے، از خود بھی ضروری علمی مضامین بیان فرماتے اور اساتذہ وطلبہ سوال کرتے تو ان کے مقنع جواب بھی ارشاد فرماتے، جس سے زیر بحث مسئلے کی تمام جزئیات کا احاطہ ہوجاتا، اکابرین دیوبند، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ان کے فرزندان خاص کر حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ کے واقعات ذکر فرماتے، دار العلوم میں جب کوئی جلسہ ہوتا یا پھر کوئی مہمان آتا تو عموماً حضرت مہتمم صاحب کا خطاب ہوتا، جس سے طلبہ اور اہل علم کے لیے علمی اور عملی استفادے کی ہزارہا شکلیں واضح ہوکر سامنے آجاتیں۔

ان ہی دنوں یہ ناکارہ جمعیۃ الطلبہ دار العلوم دیوبند کا جنرل سیکریٹری بھی رہا، جس دوران حضرت کی مکمل توجہ اور سرپرستی حاصل رہی اور اس بہانے وقتاً فوقتاً خدمت میں حاضری کے مواقع کثرت سے میسر آئے، جن چیزوں کو بنیاد بناکر کچھ شرپسند عناصر طلبہ کو انتظامیہ دار العلوم کے خلاف بھڑکاتے تھے ان تمام کو تلف کرنے والے بھی ہمارے ہی ساتھی تھے، جس سے حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کو بہت راحت ہوئی، غرض یہ ہے کہ دوران طالب علمی حضرت سے گہری وابستگی رہی اور اس ناکارہ نے ان سے بہت کچھ سیکھا، اس دوران جو بڑے علمائے کرام دیوبند تشریف لاتے، ان سے حضرت ہی کے توسط سے شناسائی ہوئی کہ میں ان حضرات کی مجالس میں خادمانہ حاضر رہتا، ان علمائے کرام میں جن سے میں بہت متاثر ہوا، ان میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ، مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سجاد صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منظور صاحب چنیوٹی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں، 1994 میں غالباً مجلس مشاورت کا اجلاس دیوبند میں ہوا تھا، اس اجلاس کے انعقاد میں، میں اور میرے رفقاء بہت پیش پیش تھے۔ (جاری)

قسط (۲)

طلاق کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے ایک جائزہ

مولانا عتیق احمد بستوی ❖

سپریم کورٹ کے فیصلہ کا جائزہ

تین طلاق کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلہ (جس میں تین طلاق کو کالعدم قرار دیا گیا ہے) کے تفصیلی جائزہ کی ضرورت ہے، ابھی شرعی نقطۂ نظر سے اور قانونی اعتبار سے اس فیصلہ کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا جاسکا، بہت سے حضرات نے تو فیصلہ کو پڑھے بغیر سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا، مسلم سماج پر خصوصاً عورتوں پر (جن کی ہمدردی کے نام پر یہ پورا ہنگامہ برپا کیا گیا) اس فیصلہ کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ ان کی مشکلات حل ہونگی یا ان کے لئے نئی نئی مشکلات اور پیچیدگیاں جنم لیں گی اس کا تفصیل سے اور گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا ضروری ہے، اس فیصلہ کے جائزہ میں اسلامی قانون کے ماہرین، قوانین ہند کے ماہرین نیز ماہرین سماجیات کی بھرپور شرکت ضروری ہے۔

ہندوستان کی سپریم کورٹ کی تاریخ میں یہ فیصلہ اپنی عجیب وغریب خصوصیات کے اعتبار سے یاد رکھا جائے گا، پانچ رکنی بینچ کا یہ فیصلہ دراصل تین فیصلوں پر مشتمل ہے، ایک فیصلہ چیف جسٹس انڈیا جگدیش سنگھ کیہر اور جسٹس ایس عبدالنظیر کا ہے، دوسرا فیصلہ جسٹس روہنٹن فالی ناریمن اور جسٹس ادے امیش للت کا ہے، اور تیسرا فیصلہ جسٹس کورین جوزف کا ہے۔

فیصلہ تقریباً چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے، فیصلہ میں تمام فریقوں کے دلائل کا احاطہ کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، چیف جسٹس جگدیش سنگھ کیہر اور جسٹس عبدالنظیر کے علاوہ باقی تین ججوں نے ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کو کالعدم قرار دیا ہے، یعنی اس صورت میں ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی، یہی

❖ استاذ حدیث وناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنو

اکثریتی فیصلہ کا لب لباب ہے، چیف جسٹس کیہر اور جسٹس عبدالنظیر نے ایک طرف تو ایک ساتھ دی گئی طلاق کو اسلامی قانون کا حصہ تسلیم کیا، اور پوری صفائی سے اس بات کا اقرار کیا کہ تین طلاق کا زیر بحث مسئلہ دستور کی دفعہ ۲۵ کے تحت آتا ہے، اور اس کے بارے میں عدالت کو کسی مداخلت کا اختیار نہیں ہے، لیکن پھر مداخلت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چھ مہینے کے لئے مسلمان مردوں پر پابندی عائد کی جاتی ہے کہ وہ ایک ساتھ تین طلاق نہ دیں، اس دوران حکومت تین طلاق کے مسئلہ میں قانون سازی کرے، درحقیقت فیصلہ وہی ہے جو تین ججوں نے کیا ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تین طلاق قانوناً کالعدم ہے، اس سے ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی، اس فیصلہ کے بعد چیف جسٹس کیہر اور جسٹس عبدالنظیر کا یہ مشورہ یا ہدایت کالعدم قرار پاتی ہے کہ حکومت اس مسئلہ پر قانون سازی کرے۔

جن تین ججوں نے ایک ساتھ دی گئی طلاق کو کالعدم قرار دیا ہے، انہوں نے سپریم کورٹ کے شمیم آرا کیس کے فیصلے کا حوالہ دیا ہے، اور اس فیصلہ کی مکمل طور پر تائید وحمایت کی ہے، جسٹس روہنٹن فالی ناریئن اور جسٹس ادے امیش للت نے اپنے مشترکہ فیصلے کے پیراگراف نمبر ۵۶ اور ۵۷ میں لکھا ہے:

''۵۶۔ زیرسماعت معاملہ میں صریحاً یک طرفہ کارروائی کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بالکل واضح ہے کہ طلاق ثلاثہ طلاق کی ایک ایسی شکل ہے جو کہ بدعت ہے، بالفاظ دیگر یہ سنت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ بے قاعدہ اور دین سے انحراف پر مبنی طلاق ہے، فیضی کی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ طلاق کی یہ شکل جو کہ حنفی مسلک میں معروف ہے جائز ہونے کے باوجود گناہ ہے، اور غضب الٰہی کی مورد ہے، درحقیقت شمیم آرا مقدمہ میں بنام ریاست یوپی (۲۰۰۷)، 7SSC518 میں اس عدالت نے متعدد سندوں بشمول حالیہ ہائی کورٹ فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے یہ رائے دی:

۱۳۔ قرآن میں مذکورہ صحیح طلاق کا قانون یہ ہے کہ طلاق کی کوئی معقول وجہ ہونا چاہئے، اور طلاق سے قبل شوہر اور بیوی میں دو ثالثوں کے ذریعہ مصالحت کی کوشش ہونی چاہئے، ایک ثالت شوہر کے خاندان سے اور دوسرا بیوی کے خاندان سے ہونا چاہئے، اگر مصالحت کی کوشش ناکام ہوجاتی ہے پھر طلاق پر عمل پیرا ہونا چاہئے، (جزء ۱۳ رقیہ خاتون مقدمہ (۱۸۹۱) 1GAU LR375 ڈویزن بینچ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ قرآن کی رو سے طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے:

(۱) طلاق کی معقول وجہ ہونا چاہئے، (۲) اس سے قبل مصالحت کی کوشش لازم ہے، شوہر اور بیوی کے درمیان دو ثالثوں کی مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے، ان میں سے ایک شوہر کے خاندان سے دوسرا بیوی کے خاندان سے ہونا چاہئے، ان کی کوشش کی ناکامی کی صورت میں طلاق دینا چاہئے، ڈویزن بینچ نے

واضح طور پر بمبئی اور کلکتہ کی رائے سے اختلاف کیا کہ انہوں نے صحیح قانون پیش نہیں کیا۔

۱۴۔ہائی کورٹ کے فاضل ججوں کی مذکورہ بالا رائے سے ہم ادب واحترام کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں(۱)

57۔چونکہ طلاق ثلاثہ فوری اور نا قابل فسخ ہوتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس صورت میں شوہر اور بیوی کے مابین ان کے خاندانوں کے دو ثالثوں کی مصالحت کی کوشش جس سے نکاح کا رشتہ برقرار رہے، اس کا کوئی امکان نہیں رہتا، رشید احمد مقدمہ میں پریوی کونسل نے یہ رائے دی تھی کہ معقول وجہ کے بغیر بھی طلاق جائز ہے، البتہ شمیم آرا مقدمہ کے بعد یہ رائے بے وقعت ہے، موجودہ صورتحال یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ صریحاً یک طرفہ ہے، کیونکہ مسلمان مرد مصالحت کی کسی کوشش کے بغیر محض اپنی مرضی سے جب چاہے رشتۂ ازدواج توڑ دے، لہذا طلاق کی اس شکل کو دستور ہند کی دفعہ ۱۴ میں مذکور بنیادی حقوق کے منافی سمجھنا چاہئے، اسی لئے ہماری رائے میں ۱۹۳۷ء ایکٹ اس معنی میں فسخ ہونا چاہئے، جس کے مطابق طلاق ثلاثہ کو تسلیم اور قابل عمل سمجھا گیا ہے، چونکہ صریحاً یک طرفہ ہونے کے باعث ہم نے ۱۹۳۷ء ایکٹ کے سیکشن ۲ کو کالعدم قرار دیا ہے، مذکورہ معاملات میں نا اتفاقی کی ان تفصیلات کی چنداں ضرورت نہیں، جس کے لئے فاضل اٹارنی جنرل نے دلیل دی، اور جس کی حمایت دیگر افراد نے کی۔

جسٹس کورین جوزف جو تین طلاق کے بارے میں فیصلہ دینے والی سپریم کورٹ کی بینچ کے رکن تھے، وہ مذہباً عیسائی ہیں انہوں نے اپنے فیصلہ کے پیراگراف ۲۴، ۲۵، ۲۶ میں درج ذیل باتیں لکھی ہیں، جنہیں ہم ان کے فیصلے کا خلاصہ اور لبِ لباب کہہ سکتے ہیں:

ا۔دستور ہند کی رو سے اپنی مرضی کے مطابق کسی مذہب پر عمل اور اس کی ترویج ایک بنیادی حق ہے، جس کی دستور ہند نے ضمانت دی ہے، یہ حق البتہ ان امور کے تابع ہے۔(۱) امن عامہ (۲) صحت عامہ (۳) اخلاقیات (۴) بنیادی حقوق سے متعلق جزء سوم کی دیگر شقیں۔

(۱) دفعہ ۲۵ کے تحت جس آزادی کی ضمانت دی گئی ہے اس سے قطع نظر (۲) دفعہ ۲۵ کے تحت ریاست کو یہ اختیار ہے کہ وہ دو صورتوں میں قانون سازی کرے، (۳) دفعہ ۲۵ میں درج ہے کہ اس دفعہ کی رُو سے کسی موجودہ قانون کے جاری رہنے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور ریاست کو قانون سازی سے باز نہیں رکھا جائے گا، اگر (ا) ایسے قانون کی ضرورت پڑے جو کسی مذہبی فعل سے متعلق کسی معاشی، سیاسی، یا سیکولر سرگرمی پر نظر رکھے یا اسے محدود کرے اور (۲) عوامی سطح کے ہندو مذہبی اداروں کے دروازے معاشرتی اصلاح اور بہبود کے لئے ہندوؤں کے تمام طبقوں کے لئے کھول دیئے جائیں۔

---

(۱) ص: ۵۲۶

مذکورہ بالا حدود کے اندر دستور ہند کے تحت مذہبی آزادی مطلق ہے اور اس باب میں فاضل چیف جسٹس سے متفق ہوں۔

البتہ میں احترام کے ساتھ اس بیان سے اختلاف کرتا ہوں کہ طلاق ثلاثہ مذہبی فعل کا لازمی جز ہے، محض اس بنیاد پر کہ کوئی فعل عرصہ سے جاری ہے اسے جواز عطا نہیں کرتا بالخصوص جب کہ وہ فعل جائز نہ ہو۔

۱۹۳۷ء ایکٹ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ شریعت کو فیصلہ کی بنیاد بنایا جائے اور جز دو۲ میں مذکور موضوعات جن میں طلاق شامل ہے ان کے حوالے سے غیر شرعی افعال کو ختم کیا جائے۔

غرضیکہ ۱۹۳۷ء ایکٹ کے نفاذ کے بعد کسی ایسے فعل کی مطلق اجازت نہیں جو احکام قرآنی کے خلاف ہو، لہٰذا اس فعل کے لئے دستوری تحفظ نہیں اور میں فاضل چیف جسٹس سے اس بات میں اختلاف کرتا ہوں کہ طلاق ثلاثہ کو دستوری تحفظ حاصل ہے، مجھے اس بارے میں بھی شدید شک وشبہ ہے کہ دفعہ ۱۴۲ کی رُو سے کسی بنیادی حق پر عمل درآمد کے بارے میں حکم امتناعی دیا جاسکتا ہے۔

۲۵۔ جب ایسی صورت حال رونما ہوتی ہے تو مباحثے میں مذہب اور دیگر دستوری حقوق کے مابین تصادم کا رنگ غالب آجاتا ہے۔

میری دانست میں دونوں کے مابین ہم آہنگی ممکن ہے، لیکن ان مختلف مفادات کے درمیان مصالحت کرانا مقنّنہ کے دائرہ اختیار میں ہے۔

لیکن اس اختیار کو دستوری حدود میں ہی استعمال کرنا چاہئے اور اس کے نتیجہ میں دستور ہند کی دی ہوئی مذہبی آزادی کی ضمانت کو کوئی گزند نہیں پہونچنا چاہئے، البتہ یہ عدالت کا فرض منصبی ہے کہ وہ کسی قانون سازی کی ہدایت دے۔

۲۶۔ خوش قسمتی سے اس عدالت نے اپنا فرض شمیم آرا مقدمہ میں انجام دے دیا ہے، میں غیر مبہم الفاظ میں اس قانون کی تائید وتوثیق کرتا ہوں جو کہ شمیم آرا مقدمہ میں موجود ہے۔

جو فعل قرآن کی نظر میں غلط ہے وہ شریعت کی نگاہ میں صحیح نہیں ہوسکتا ہے، اور جو فعل دینی لحاظ سے غلط ہے وہ قانون کی رُو سے بھی غلط ہی ہے۔

جسٹس کورین جوزف، نئی دہلی

۲۲/اگست ۲۰۱۷ء

(جاری)

محبت رسول ﷺ کی چار بنیادی وجوہات

مولانا محمد الیاس گھمن ❖

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام (قرآن کریم) میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا حقیقی مقصد آپ کی تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات واجب الاطاعت ہے، اسی اطاعت رسول میں دنیوی واخروی نجات مضمر ہے، اسی میں خدائے لم یزل کی رضا موجود ہے اور اسی پر انعام الٰہی کا وعدہ ہے۔

رسول چونکہ وحی الٰہی کا پیغامبر ہوتا ہے، اس کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت شمار ہوتی ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ. (۱)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔

خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (۲)

ترجمہ: جس چیز کا میرا رسول تمہیں حکم دے وہ کام کرو اور جن باتوں سے روکے ان سے باز آجاؤ

یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت سے بے انتہاء محبت ہے، بے پناہ شفقت ہے، بلکہ محبت و شفقت کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی قلبی کیفیات کو بیان کرنے سے قاصر ہیں اس لیے قرآن کریم نے اس کو **حریص علیکم** سے تعبیر کیا ہے، تو جو ذات بے انتہاء اور بے پایاں شفقت و محبت کرتی ہو ہمارے انجام سے بخوبی واقف ہو، بالخصوص جب کہ اس کی واقفیت وحی الٰہی اور مشاہدہ کی صورت میں ہو، تو وہ ذات لازمی طور پر اس قابل ہے کہ اس کی کامل اطاعت کی جائے اور یہ اطاعت پیدا ہوتی ہے محبت کی انتہاء سے، جس قدر محبت میں کمال آتا جاتا ہے اسی قدر جذبہ اطاعت باکمال اور لازوال ہوتا چلا جاتا ہے اور اس محبت کو پیدا کرنے کی بہت ضرورت ہے جو ہمیں حقیقت کے قریب کرے، رسول کی اطاعت پر ابھارے، اللہ کی فرمانبرداری پر برانگیختہ کرے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ محبت کرنے کی جتنی وجوہات ہو سکتی ہیں وہ ساری کی ساری رسول اللہ ﷺ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں:

❖ امیر عالمی اتحاد اہل السنّت والجماعت، پاکستان

(۱) سورۃ النساء آیت نمبر ۸۰ (۲) سورۃ الحشر: ۷

پہلی وجہ کمال: اگر محبت کی وجہ کسی ذات کا باکمال ہونا ہے تو تمام کمالات میں مکمل کامل اور اکمل ذات رسول اللہ ﷺ کی ہے، عزت وعظمت، فضیلت ومنقبت، شرف ومقام اور مرتبہ وکمال یہ سب کچھ اس باکمال ذات کا صدقہ ہے جن کی وجہ سے ان اوصاف کے حقائق سے دنیا واقف ہوئی ہے۔ عقل کامل، سوچ کامل، تدبر کامل، فکر کامل، شکر کامل، عبدیت کامل، انسانیت کامل، حیا کامل، سخا کامل، شجاعت کامل، وجاہت کامل، تمام اوصاف کامل۔ اسی کاملیت پر نگاہ دوڑاتے ہوئے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہے ☆ تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

دوسری وجہ احسان: اگر محبت کی وجہ کسی ذات کا محسن ہونا ہے تو محسن کائنات ﷺ کے صرف مسلمانوں پر ہی نہیں تمام انسانوں پر بلکہ ساری مخلوقات پر آپ ﷺ کا احسان عظیم ہے۔ احسان کا یہ سلسلہ عالم ارواح سے عالم آخرت تک پھیلا ہوا ہے۔ عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو ایک جگہ جمع فرما کر یہ سوال کیا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب سے پہلے روح محمد ﷺ نے جواب عنایت فرمایا: بَلٰی۔ کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں، آپ کا جواب سن کر تمام انبیاء کرام کی ارواح نے جواب دیا پھر درجہ بدرجہ تمام ارواح نے بلٰی کا اقرار کیا۔ عالم دنیا میں آپ ﷺ کے احسانات کا نہ ختم ہونے والا طویل سلسلہ ہے، انسان کی تخلیق سے لے کر انسانیت کی معراج تک سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے دم قدم سے ہے، وجہ تخلیق کائنات آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ عالم آخرت چونکہ سب سے بڑا عالم ہے اس لیے اس میں آپ ﷺ کا احسان بھی سب سے بڑا ہوگا، آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حساب وکتاب شروع فرمائیں گے، اتنا ہولناک وقت ہوگا انبیاء کرام علیہم السلام تک نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے صرف آپ ﷺ کے مبارک لبوں پر یارب امتی یارب امتی کی صدا ہوگی، خدا تعالیٰ کے جلال کو جمال میں بدلنے کے لیے آپ ﷺ بہت طویل سجدہ فرمائیں گے، بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی: اے محمد اپنا سر مبارک اٹھایئے، مانگیے آپ کو عطا کیا جائے گا، گناہ گاروں کی سفارش کیجیے آپ کی سفارش کو قبول کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ میدان حشر میں جہاں کہیں (میزان، پل صراط وغیرہ پر) اپنی امت کو مشکل میں دیکھیں گے وہاں آ کر اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش کو قبول فرما کر اس امت کے گناہ گاروں کو جہنم سے آزاد فرما کر جنت عطا فرمائیں گے۔ اتنے بڑے محسن کا حق بنتا ہے کہ آپ کی کامل اطاعت کی جائے، تاکہ ہم آپ کی شفاعت کے حقدار بن جائیں۔

تیسری وجہ جمال: اگر محبت کی وجہ کسی کا خوب صورت ہونا ہے، حسین وجمیل ہونا ہے، تو کائنات میں سب سے زیادہ حسین وجمیل آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہے، آپ پیکر حسن وجمال، مجسم حسن وجمال،

منبع حسن و جمال اور مرکز حسن و جمال ہیں۔ آپ ہی کے جلووں سے کائنات کا حسن اپنی روشنیاں بکھیر رہا ہے، آپ کی تابانیاں اور رعنائیاں ہرسو پھیل رہی ہیں، زمین و زمن، ارض و فلک، شمس و قمر اور شام و سحر الغرض خدا تعالیٰ کی تمام خدائی کو آپ کے حسن و جمال نے احاطہ کر رکھا ہے۔ قرآن کریم پڑھ کر دیکھ لیجیے آپ کی ذات مبارک کس طرح حسن و جمال کی مالا میں پروئی ہوئی ہے ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

معلوم ہوا کہ اگر وجہ محبت حسن و جمال بھی ہو تب بھی سب سے زیادہ محبت آپ ﷺ سے کرنی چاہیے

چوتھی وجہ اخلاق: اگر محبت کی وجہ اخلاق و کردار ہے، تو پھر **انک لعلیٰ خلق عظیم** کے حقیقی مصداق ہی اس قابل ٹھہرتے ہیں کہ آپ سے محبت کی جائے، جس کے خلق عظیم کی گواہی قرآن کریم میں خالق کائنات خود دے رہے ہیں، ایسا بااخلاق انسان دنیا کہاں سے لائے گی جس کی اخلاق حسنہ کا اعتراف اس کے دشمن بھی کریں، صادق، امین، صلح جو، ہمدرد، مونس و غمخوار اور سخی و فیاض ذات درحقیقت ذات حبیب کبریاء ﷺ ہے۔ الغرض وجوہ محبت کمالات ہوں یا احسانات، حسن و جمال ہو یا اخلاق و کردار ہر حوالے سے آپ ﷺ پوری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔ جب دل میں محبت رسول موجزن ہو جائے تو اطاعت کرنا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ آج ہمیں اپنے دل میں محبت پیدا کرنے کی ضرورت ہے محبت سے ہی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اگر محبت کو اطاعت کے قالب میں نہ ڈھالا جائے تو دعویٰ میں صداقت نہیں آسکتی۔

افسوس! صد افسوس! آج ہم اس جذبہ اطاعت سے دور ہو چکے ہیں، ہماری تنزلی آج بھی ختم ہو سکتی ہے اگر ہم بغاوت کو چھوڑ کر اطاعت کو اپنا لیں، اپنی زندگی کے ہر پہلو کو اطاعت رسول کے سانچے میں ڈھالیں، خوشی و غمی میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو اپنائیں، مقصد بعثت رسالت پر غور کریں، سمجھیں، اور دل و جان سے عمل کریں۔ اطاعت کے بغیر دنیا میں ناکامی ہوگی، اگر اپنی روش کو نہ بدلا تو یہی ناکامی کل قیامت کو حسرت کا روپ دھار لے گی پھر انسان کہیں گے: يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُوْلَا. (۱)

ترجمہ: اے کاش ہم اللہ کی اطاعت کرتے اور رسول کی اطاعت کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اطاعت رسول کا جذبہ عطا فرمائے، اسی جذبہ کے تقاضوں پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ٦٦

انہیںؐ کے واسطے گویا دہن میں ہے زباں اپنی

جناب سلمان غازی ❖

رسول اللہ ﷺ کے معجزات کتنے ہیں ان پر کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ہمارے سامنے سعودی عرب کے عالم شیخ عبدالعزیز بن سلمان کی کتاب ''معجزات نبوی'' کا اردو ترجمہ ہے جس میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ۷۷ معجزات کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نبیؐ آخرالزماں ہیں اوران کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے اس لئے یقیناً آپ ﷺ کے معجزات کا سلسلہ بھی قیامت تک جاری رہے گا اوراگر مسلمان اپنے آج کے حالات پر غور کریں تو بہت سے معجزات ہمیں آج بھی نظر آسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ نظر سے گزرا۔

عراق نے جب کویت پر حملہ کیا تھا تب سعودی عرب میں بڑی تعداد میں امریکی فوجی تعینات تھے۔ امریکی فوج کے اعلیٰ افسران کے سعودی شہزادوں اور امرا سے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے تھے۔ ایک دن ایک امریکی فوج کا بڑا عہدہ دار ایک عرب وزیر کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ حج کا زمانہ تھا اور آفس میں لگے ہوئے ٹی وی پر حج کے مناظر دکھائے جارہے تھے۔ سعودی وزیر نے امریکی سے کہا کہ یہ سالانہ مذہبی اجتماع ہے اس میں اس سال تیس لاکھ مسلمان جمع ہوئے ہیں۔ امریکی نے کہا واقعی بہت بڑا اجتماع ہے۔ سعودی نے کہا میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ اگر ان تیس لاکھ انسانوں کو ایک خاص ترتیب سے کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے تو اس میں کتنا وقت لگے گا۔ امریکی نے کچھ سوچ کر جواب دیا: آٹھ دس گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔ عرب نے کہا: لیکن ایک بات ہے، یہ تیس لاکھ انسان تقریباً اسی ممالک سے جمع ہوئے ہیں اوران کی زبانیں مختلف ہیں اس لئے ایک دوسرے سے گفتگو بھی نہیں کرسکتے۔ امریکی نے کہ: پھر تو اور زیادہ وقت لگے گا شاید دس بارہ گھنٹے لگ جائیں۔ عرب نے کہا: لیکن ایک اور بات ہے: ان لوگوں کی معاشرت ہی الگ نہیں بلکہ ان کے اقتصادی حالات بھی مختلف ہیں یعنی ان میں کوئی امیر ہے کوئی کسی ملک کا بادشاہ یا وزیر ہے اور کوئی فقیر یا بالکل غریب ہے۔ امریکی نے کہا: حفظ مراتب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے شاید پندرہ سے بیس گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں۔ عرب نے کہا: لیکن ایک اور بات ہے ان کو ترتیب سے کھڑا کرنے کے لئے ہمارے پاس رضا کار بھی نہیں ہیں۔ امریکی بولا: پھر تو یہ کام تقریباً ناممکن ہے اور

❖ ڈائریکٹر اقرا ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ممبئی

شاید چوبیس گھنٹے بھی کافی نہ ہوں۔عرب وزیر نے مسکراتے ہوئے کہا: ابھی انہیں ایک خاص ترتیب سے کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے گا اس وقت میں اشارہ کردوں گا تو آپ اپنی گھڑی میں وقت دیکھ لیجئے گا۔

کچھ دیر میں اقامت شروع ہوئی تو عرب نے اشارہ کیا اور امریکی فوجی نے گھڑی میں وقت دیکھا۔جیسے ہی امام نے اللہ اکبر کہا، مقتدین صف بند ہو چکے تھے اور نماز شروع ہوگئی۔عرب نے مسکراتے ہوئے پوچھا: کتنا وقت لگا۔امریکی نے حیرت سے کہا باون سیکنڈ۔عرب نے کہا یہ وہی تیس لاکھ افراد ہیں جو اسی ممالک سے ہیں جن کی زبانیں معاشرت، اقتصادی حالات مختلف ہیں اور جنہیں رضا کار میسر نہیں تھے۔ان کی ترتیب دیکھئے، دو افراد کے درمیان کوئی خالی جگہ نہیں دو صفوں کا فاصلہ یکساں ہے اور صفوں کے دائروں میں بھی آپ کوئی فرق نہیں پائیں گے۔امریکی نے کہا: یقیناً یہ معجزہ ہے اور مشرف بہ اسلام ہوا۔

ہم بھی تربیت کرتے ہیں تو مشکل سے چند نسلوں تک اس کے اثرات باقی رہتے ہیں غور فرمایئے تو یہ بھی نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے کہ امت کی ایسی تربیت فرمائی کی آج ڈیڑھ ہزار سال بعد بھی اس تربیت کے آثار اُسی طرح باقی ہیں۔یہ ضبط و نظم جناب رسول اللہ ﷺ نے صرف نماز کے لئے نہیں سکھایا تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ ایک مسلمان کی پوری زندگی اسی طرح ایک خاص ترتیب سے گذرے۔بدقسمتی سے مسجد سے باہر آتے ہی مسلمان اس سارے ضبط و نظم کو چھوڑ دیتے ہیں۔کاش ایک مسلمان کی عام زندگی میں بھی اسی تربیت کا اثر آ جائے اور وہ اپنی زندگی میں وہی ضبط و نظم لے آئیں جس کا نمونہ ہمیں صحابہؓ کی زندگی میں بھی مل جاتا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے جہاں امت کو تعلیم دی وہیں تربیت بھی فرمائی کیونکہ تعلیم انسان کو صرف الفاظ کے مفہوم تک پہنچا سکتی ہے لیکن وہ مفہوم ہماری زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو اس کا شعور تربیت عطا کرتا ہے۔علم کا خاصہ تکبر ہے یعنی علم کے ساتھ تکبر ضرور آتا ہے۔شیطان بڑے علوم رکھتا تھا اس لئے اس میں تکبر بھی اتنا ہی زیادہ تھا۔اسے شرک جیسے گناہ عظیم کے سبب راندۂ درگاہ نہیں کیا گیا بلکہ اسے صرف تکبر کی سزا دی گئی جب اس نے کہا کہ انسان مٹی سے بنا ہے اور میں آگ سے اس لئے میں انسان سے افضل ہوں۔غور فرمایئے تو یہ دونوں صفات صرف حق تعالیٰ جل شانہ کو زیب دیتی ہیں یعنی اللہ رب العزت علیم و خبیر بھی ہیں اور متکبر بھی، مخلوق میں تکبر کسی کو زیب نہیں دیتا۔اسی لئے انسان جب علم کے سبب تکبر میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی اصلاح کے لئے تربیت ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انسان کی کردار سازی کے دو اصول عملاً کر دکھائے جن میں تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی۔انسانی کردار سازی میں اگر کسی ایک اصول کو نظر انداز کر دیا جائے تو نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکلے گا۔غور فرمایئے تو تعلیم کا لفظ پڑھنے پڑھانے اور رٹا دینے پر بھی بولا جا سکتا ہے لیکن وہ چیز دراصل تربیت ہے جس سے طالب علم میں نہ صرف یہ کہ ملکہ یا رسوخ پیدا کیا جاتا ہے بلکہ اس میں انکساری اور اخلاق بھی پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو عالموں پر فضیلت دی اور خود آپ کی مدح سرائی کی اور فرمایا: وَرَفَعنا لكَ ذِكرَك.

لیکن باوجود اس رفعت اور بلندی کے ایک عجیب حدیث نظر سے گذری۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

انه ليغانُ علىٰ قلبى و انى لاستغفر الله فى اليوم مأة مرّة(۱)

میرے قلب پر ایک گھٹن لائی جاتی ہے اور میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو نہ صرف حق تعالیٰ نے بلند فرمایا بلکہ ان کی ذات پاک تمام عیوب اور گناہوں سے پاک تھی اور آپ سے کبھی کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہوا تو آپ ﷺ کو استغفار پڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی ضرورت تو ہم جیسے گناہ گاروں کو ہوتی ہے۔

غور فرمائیں تو دراصل ہم سب اپنے حال پر جیتے ہیں۔ حال، حــــولٌ سے بنا ہے جس کے معنی گردش کے ہیں یعنی تبدیل ہونے والا۔ ہم پر بھی مختلف اوقات میں مختلف حال طاری ہوتے ہیں کبھی یہ عروج کی طرف جاتا ہے یعنی حال روحانی ہوتا ہے اور کبھی زوال کی طرف جسے ہم نفسانی کہہ سکتے ہیں۔ گویا حال مستقل چیز نہیں بلکہ آنی جانی چیز ہے اور اختیاری بھی نہیں بلکہ وہ چیز ہے جو بلا ارادہ اور اختیار قلب پر طاری ہوتی ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: **اَللّٰھُمَّ اصلح لی شانی کُله ولا تکلنی الی نفسی ظرفة عین (۲)**

اے اللہ میرا حال درست فرما دیجئے اور گھڑی بھر کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرمایئے

ہمیں اس کا تجربہ بھی ہے کہ بعض اوقات دل نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اللہ سے لو لگانے کو جی چاہتا ہے اور کبھی طبیعت میں انقباض رہتا ہے اور کوئی نیکی کرنے کو جی نہیں چاہتا بلکہ طبیعت گناہ کی طرف مائل ہوتی ہے، گویا حال کبھی نورانی ہوتا ہے اور کبھی نفسانی یہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی یہ ترقی کرتا ہے جسے ہم روحانی ترقی بھی کہہ سکتے ہیں اور کبھی اس میں نفسانی خواہشات کے سبب تنزل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری روح ہمارے جسم میں پوشیدہ ہے اور جسم مادی ہے۔ مادے کی خاصیت ہے کہ ہر وقت اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن بعض نیک انسان اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف ہمیشہ نیکی کرتے رہتے ہیں جس سے ان کا حال عام انسانوں کی طرح زوال پذیر نہیں ہوتا اور پھر اپنی اس مشق کے سبب ان کا حال ہمیشہ روحانی ترقی کرتا رہتا ہے اور ان کا دل گناہ کی طرف راغب نہیں ہوتا اور عروج اور ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب ایک انسان اپنے نفس کے خلاف جنگ کر کے مستقل روحانی ترقی کی طرف بڑھتا ہے اور اس میں زوال نہیں ہوتا بلکہ اندرونی احوال راسخ اور پختہ ہو جاتے ہیں جن میں مستقل روحانی ترقی ہوتی رہتی ہے تو انہیں صاحبِ حال اور صاحبِ مقام کہتے ہیں۔

---

(۱) مشکوٰۃ شریف (۲) ابوداؤد شریف

جب انسان پر حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کا عمل بھی اضطراری یا غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے حضرت سلیمان عیہ السلام کے اس واقعے پر غور کیجئے جب ان کے پاس ایک بچہ لایا گیا جس کی دو عورتیں دعوے دار تھیں اور دونوں اسے اپنا بچہ بتاتی تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان کلام اللہ میں بتائی گئی کہ انہیں حکم وعلم کے ساتھ مخصوص فہم بھی دیا گیا تھا اس لئے آپ نے ایک حکیمانہ تدبیر فرمائی اور کہا کہ بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو آدھا آدھا دیدو۔ بڑی عورت پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا لیکن چھوٹی نے بے چین ہو کر کہا کہ بچہ مجھے نہیں چاہیئے اس کے ٹکڑے مت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑی عورت میں ممتا درجۂ حال میں نہیں تھی لیکن دوسری چونکہ ماں تھی اس لئے وہ صاحب حال تھی اور بچے کی جدائی گوارہ کر لی لیکن موت گوارہ نہیں کی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ بچہ چھوٹی عورت کا ہے جس نے بچے کی جان جانے کے خوف سے اپنا دعویٰ چھوڑ دیا اور پھر بچہ اسی کو دے دیا گیا۔ جب کوئی حال قلب میں اس طرح راسخ ہو جائے کہ اسی حال میں چین آئے اور اس کے خلاف کرنے سے طبیعت میں انقباض ہو تو اسی کو مقام کہتے ہیں اور جب ایک حال مقام میں تبدیل ہو کر افعال کا رنگ اختیار کر لے تو وہ شان کہلاتی ہے۔ یعنی حال قلب میں راسخ ہو جاتا ہے اور غلبۂ حال کے سبب اس سے سرزد ہونے والے اعمال بھی طبعی ہو جاتے ہیں۔ جیسے کسی کو نماز پڑھنے میں تکلف ہوتا ہے یا وہ زبردستی نماز پڑھتا ہے اور کسی کی طبیعت نماز نہ پڑھنے سے منقبض ہوتی ہے۔ جب حال قلب پر اس طرح طاری ہو جائے کہ اعمال کا صدور بے تکلف ہونے لگے تو اس حال کو شان کہتے ہیں۔ اہلِ دنیا اور اہلِ دین دونوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ دنیاداروں میں کسی کی شان عیش وعشرت کی زندگی ہوتی ہے کسی کی مال و دولت جمع کرنے کی جبکہ اہل اللہ میں کسی کی شان ترکِ دنیا ہے تو کسی کی شوقِ جہاد، کسی کی ذکر اللہ میں ہے تو کسی کی علمی مسائل کی تلاش میں۔ ایمان کی یہ شان جب حضرات صحابہؓ میں پیدا ہو گئی تو انہوں نے پوری دنیا کو تہہ و بالا کر دیا اور افریقہ، یورپ اور مشرق میں ایمان کے چراغ جلا دئے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی بے شمار شانیں تھیں، اور سچ پوچھئے تو امت میں کسی میں تاب نہیں کہ ان احوال اور کیفیات کو جان سکے جو جناب رسول اللہ ﷺ پر طاری ہوتی تھیں اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ہر شان، شانِ الٰہی سے بنتی تھی۔

اور ارشاد ربانی ہے: كُلَّ يَومٍ هُوَ فِي شأن . (وہ روز ایک نئی شان سے ہے۔(۱)) حق تعالیٰ جل شانہ کی بنیادی دو شانیں ہیں جمالی اور جلالی، جمالی شانیں جیسے انعام واکرام، مغفرت، عفو، ہدایت، عطا وغیرہ اور جلالی شانیں جیسے انتقام، امانت تذلیل واضلال وغیرہ۔

اسی لئے دونوں شئون کے بارے میں فرمایا گیا: اِنَّ رَبَّكَ لَذُو امغفرةٍ وَ ذُو عِقابَ اَليم

(آپ کا رب بڑی مغفرت والا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔(۲))

---

(۱) ۲۹/۵۵ (۲) ۴۳:۴۱

یا کہیں شانِ رحمت کے بارے میں فرمایا:

لَا تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ

(اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا امید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔(۱)

کبھی شانِ غضب کے بارے میں فرمایا گیا:

أَفَأَمِنُواْ مَكْرَ اللّهِ فَلاَ يَأْمَنُ مَكْرَ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ

(سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے کہ جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔(۲)

اس سلسلے میں امامِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقامِ ارشاد میں جو جس قدر اوپر جاتا ہے اسی قدر نیچے آتا ہے پھر جس کا نزول جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر وہ کامل ہوگا۔ اسی لئے رسالت مآب ﷺ جب بلندی پر گئے تو ایسی بلندی کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی اور جو نزول ہوا وہ بھی اتنا تھا کہ کسی اور کے لئے ممکن نہیں۔ غور فرمایئے تو یہ منتہائے نزول اس لئے بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت تمام خلق کے لئے ہے اور خلق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سلسلے میں انتہائی پستی میں ہیں۔ اگر رسالت مآب ان سب کے درجے تک نہ آتے تو آپ ﷺ کی دعوت کا ابلاغ کیسے ممکن تھا، گویا اس انتہائے نزول کے باعث ہر امتی کو آپ ﷺ سے مناسبت ہوگئی اور آپ کی دعوت کا افادہ عام ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ کی انہی شانوں سے جناب رسول اللہ ﷺ کی شانیں وابستہ ہیں لیکن اس وابستگی کا تعلق عبودیت سے ہے گویا آپ ﷺ ہر شان کا عبودیت کے ساتھ حق ادا فرماتے تھے کیونکہ مخلوقات میں صرف آپ ہی ان شانوں کا ادراک رکھتے تھے۔ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ مقامِ عبدیت تمام مقامات سے بلند مقام ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ کی شانیں حق تعالیٰ جل شانہ کی شان کی پرتو ہوتی تھی یعنی اللہ جل جلالہ کی جس روز جو شان ہوتی تھی اسی کا عکس جناب رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک پر پڑتا تھا۔ گویا آپ ﷺ کی روز ایک نئی شان ہوتی تھی جو ہمیشہ مائل بہ عروج رہتی تھی۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو ہر روز جب آپ ﷺ عبادات فرماتے تھے تو انہیں نئی شان کے سبب نیا لطف آتا تھا جو اس کیفیت سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا تھا جس سے آپ ﷺ گذشتہ روز دوچار ہوئے تھے۔ اس سے آپ کے ذہن مبارک میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ گذشتہ کل تک جو عبادات آپ ﷺ کرتے رہے وہ آج کے مقابلے میں ناقص تھیں اور نقص کی یہی وہ کیفیت تھی جس کے متعلق آپ نے فرمایا: ”میرے قلب پر ایک گھٹن لائی جاتی ہے اور میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔“

---

(۱) ۱۲:۸۷ (۲) ۷:۹۹

میٹاورس اور ہماری شرعی ذمہ داری

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی❖

آپ کی والدہ کھانا پکا رہی ہیں اور آپ سے کہتی ہیں کہ دکان سے ہرا دھنیا لے کر آ جاؤ۔ آپ ایک بڑے شاپنگ مال میں سبزی کی دکان پر اس مخصوص جگہ پر جائیں گے جہاں پر سبزیاں وغیرہ رکھی ہیں۔ پھر کافی ساری ہرے دھنیے کی گڈیوں میں سے آپ ایک تروتازہ ہرے دھنیے کی گڈی نکالیں گے، اس کو الٹ پلٹ کر دیکھیں گے، سونگھیں گے اور پھر جس ہرے دھنیے کی گڈی میں سے خوشبو آ رہی ہو اور تروتازہ ہو اس کو خریدنے کیلئے اٹھا لیں گے۔ اب یہی دکان اگر انٹرنیٹ پر موجود ہے اور وہاں سے آپ کو ہرے دھنیے کی گڈی لینی ہے تو دکان کی ویب سائٹ پر آپ ہرے دھنیے کو سرچ کریں گے، پھر وہاں پر آپ کو ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر نظر آئے گی، آپ اس کو دیکھ کر آڈر کر دیں گے۔ مگر اس صورت میں آپ کو وہ احساس یا تجربہ حاصل نہیں ہوا جو کہ آپ کو خود دکان پر جا کر حاصل ہوتا یعنی آپ ہرے دھنیے کی گڈی کو سونگھتے، اس کی تازگی کو چیک کرتے اور پھر خریدتے۔ نیز آن لائن ویب سائٹ سے ہرے دھنیے کی گڈی آڈر کرنے پر آپ کو دکان دار کی منتخب کردہ ہرے دھنیے کی گڈی پر ہی انحصار کرنا پڑے گا۔ پھر جب دکان دار آپ کے گھر پر وہ ہرے دھنیے کی گڈی پہنچائے گا تو آپ اس کی تازگی اور خوشبو کو دیکھتے ہوئے پسند نہ آنے پر واپس بھی کر سکتے ہیں۔

سبزی بیچنے والا دکاندار اگر اس سارے عمل میں یعنی اپنی ویب سائٹ پر تھوڑی جدّت لانا چاہے تو ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دکان دار جتنی بھی ہرے دھنیے کی گڈیاں ہیں ان سب کی تصاویر اپنی دکان کی ویب سائٹ پر روزانہ صبح سویرے لگائے اور پھر صارف اس میں سے کوئی ہرے دھنیے کی گڈی منتخب کرے اور پھر وہ دکان دار اس ہرے دھنیے کی گڈی کو بیچنے کے بعد وہ تصویر وہاں سے ہٹا دے اور آپ کو بعینہٖ وہی گڈی لا کر دے جس کو آپ نے ویب سائٹ پر تصویر کے ذریعے منتخب کیا تھا۔ اب اس خرید و فرخت میں تھوڑی جدّت تو آ گئی مگر پھر بھی آپ وہ احساس یا تجربہ حاصل نہیں کر سکے جو کہ خود سبزی کی دکان پر جا کر

❖ استاذ مونسٹر ٹکنالوجی یونیورسٹی (MTU) آئرلینڈ

حاصل ہوتا۔ نیز اس صورت میں آپ کو صرف ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر کا ایک رخ ہی نظر آیا یعنی دو جہتی یا ٹو ڈائی مینشل تصویر ہی دیکھ سکے اور خوشبو بھی نہ سونگھ سکے۔

اب دکان دار اپنی ویب سائٹ پر مزید جدّت لے کر آتا ہے اور اب وہ دکان میں موجود تمام ہرے دھنیے کی گڈیوں کی تھری ڈی تصویر رکھتا ہے کہ جس کے ذریعے سے آپ ہرے دھنیے کی گڈی کو ہر زاویہ یعنی ۳۶۰ ڈگری کے زاویے سے دیکھ سکتے ہیں اور پھر اپنی مطلوبہ ہرے دھنیے کی گڈی کا انتخاب کر سکتے ہیں، مگر پھر بھی اس میں وہ احساس اور تجربہ حاصل نہ ہوگا جو کہ حقیقی طور پر دکان جا کر حاصل ہوتا۔ خیر دکان دار اپنی ویب سائٹ پر مزید جدّت لے کر آتا ہے اور اب تھری ڈی تصاویر کے بجائے وہ تمام ہرے دھنیے کی گڈیوں کی دومنٹ کی ویڈیو بنا کر ویب سائٹ پر رکھتا ہے۔ اس طرح سے آپ کے سامنے ہر ہرے دھنیے کی گڈی کی صحیح صورت حال واضح ہوجائے گی اور آپ بلا جھجک اپنی معیار کی ہرے دھنیے کی گڈی منتخب کر سکتے ہیں۔ مگر اب بھی وہ احساس اور تجربہ صارف کو حاصل نہ ہوگا جو کہ حقیقی طور پر دکان میں جا کر ہرے دھنیے کی گڈی لینے میں ہے۔

خیر اب دکان دار سینسر Sensors کا استعمال کرتے ہوئے انفرادی طور پر ہر ہرے دھنیے کی گڈی کی خوشبو کو ریکارڈ کرتا ہے اور ویب سائٹ پر اس ہرے دھنیے کی گڈی کی ویڈیو کے ساتھ اس خوشبو کا کوڈ بھی رکھ دیتا ہے۔ جب بحیثیت صارف آپ ویب سائٹ پر جاتے ہیں اور آپ اس ہرے دھنیے کی گڈی کی ویڈیو دیکھتے ہیں اور اس کوڈ کو استعمال کرتے ہوئے خوشبو سونگھنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو وہ خوشبو نہیں سنگھائی دے گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خوشبو کا کوڈ تو ویب سائٹ پر موجود ہے اور خوشبو ایک احساس ہے اور حسّی طور پر آپ اس کو سونگھ سکتے ہیں مگر وہ آپ تک حقیقی طور پر کمپیوٹر کے ذریعے منتقل تو نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا حل نکالنے کیلئے وہ دکاندار اپنی ویب سائٹ پر یہ نوٹس لکھتا ہے کہ اگر آپ کو حقیقی تر احساس حاصل کرنا ہے تو آپ کے پاس جدید آلات ہونے چاہییں اور مختلف خوشبوؤں کی ایک پوری سلیکشن ہونی چاہیئے جو کہ آپ کے کمرے میں آپ کے کمپیوٹر کے ساتھ منسلک ہوں۔ پھر جب ویب سائٹ پر وہ کوڈ آپ استعمال کریں تو آپ کے کمرے میں آپ کے کمپیوٹر کے پاس رکھی ہوئی خوشبوؤں میں سے وہ خوشبو سلیکٹ کرے اور پھر آپ کے کمرے کی فضا وہی خوشبو سے معطر ہوگی جو کہ اس کوڈ میں لکھی ہے اور پھر دکان سے دور بیٹھے آپ اس خوشبو کو اپنے کمرے میں سونگھ سکیں گے۔ یعنی آسان الفاظ میں آپ اس ویب سائٹ پر گئے، ہرے دھنیے کی گڈی پر جیسے ہی آپ نے کلک کیا، ایک لائیو اسٹریم ویڈیو چل پڑی جس میں اس ہرے دھنیے کی گڈی کی لائیو یا براہ راست ویڈیو چلائی گی اور ساتھ ہی آپ کے کمرے میں وہی خوشبو مہک گئی جو کہ

اس ہرے دھنیے کی تھی اور اس کیلئے نہایت ہی اعلیٰ قسم کے کمپیوٹر پروگرامز کا سینسر کے ساتھ استعمال کیا گیا۔

جی ہاں یہ ممکن ہے اور کچھ سالوں پہلے ایسی پروڈکٹ بازار میں لانچ بھی ہوچکی ہیں جیسے Aroma IoT, oPhone, Scente Machina وغیرہ جن کی مدد سے آپ اپنے موبائل فون سے مختلف اقسام کی خوشبوؤں کی مہک کو بطور میسیج کے بھی بھیج سکتے ہیں۔مثلاً آپ نے ایک دوست کو میسج بھیجا اور ساتھ میں گلاب کے پھول کی خوشبو بھی بھیجی تو جیسے ہی وہ میسیج آپ کے دوست کے موبائل پر موصول ہوگا اس کے موبائل سے منسلک پہلے ہی موجود خوشبوؤں کے مجموعے میں سے وہ خوشبو مہکنا شروع ہوجائے گی جس کی آپ نے اپنے میسیج میں نشاندہی کی ہے۔یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ آپ میسیج کے ذریعے حسّی طور پر خوشبو منتقل نہیں کررہے بلکہ آپ گلاب کے پھول کی خوشبو کا ایک کوڈ اپنے میسیج کے ذریعے منتقل کررہے ہیں اور جیسے ہی وہ کوڈ دوسرے موبائل پر موصول ہوگا، اُس موبائل کے ساتھ الیکٹرونک سرکٹ موبائل کے ساتھ منسلک خوشبوؤں میں سے ایک خوشبو مہکانا شروع کردے گا۔نیز اسی طریقے کے ذریعے آپ اپنے کمرے میں میلوں دور بیٹھے مختلف خوشبوؤں کو مہکا بھی سکتے ہیں اور اس کیلئے چیزوں کا انٹرنیٹ یعنی Internet of Things کا استعمال کرسکتے ہیں۔اب تو اس میں اتنی ترقی ہوگئی ہے کہ انڈر گریجویٹ کے طلباء اس طرح کے پروجیکٹ کرتے ہیں جن کے ذریعے سے محسوسات، خوشبو وغیرہ کو منتقل (مجازی طور پر) کیا جاسکتا ہو اور ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے بالکل اصل حقیقت کے قریب جایا جاسکے۔مثلاً موبائل فون کے ذریعے سے آپ کسی دوسرے ملک میں رہتے ہوئے اپنے گھر کی لائٹوں کو کھول بند کرسکتے ہیں، پانی کی موٹر کو چلا سکتے ہیں، آپ کے گھر میں کون کون سے آلات کتنی بجلی خرچ کررہے ہیں یہ آپ منٹوں کے حساب سے دیکھ سکتے ہیں اور ان آلات کو کھول بند کرتے ہوئے بجلی کی بچت کرسکتے ہیں۔

مستقبل کے لئے کمپیوٹر سائنسدانوں نے یہ سوچا ہے کہ ایک ورچول، ڈیجیٹل یا تخیلاتی دنیا ہوگی، جس میں ہر چیز ورچول ذریعے سے انٹرنیٹ پر ظاہر کی جائے گی اور اس کو میٹاورس کا نام دیا ہے۔میٹاورس Metaverse بنیادی طور پر ایک ڈیجیٹل تخیلاتی تھری ڈی دنیا یعنی ورچول دنیا کا نام ہے۔آپ میں سے اگر کسی کو کمپیوٹر گیمز کھیلنے کا اتفاق ہوا ہو تو آپ کے علم میں ہوگا کہ اس کے اندر کچھ ڈیجیٹل کردار بنائے جاتے ہیں اور گیم کے اندر کے ماحول کو بالکل اصل زندگی کی مطابق ڈھالا جاتا ہے۔جو کمپیوٹر گیم جتنا زیادہ حقیقی زندگی اور کرداروں سے مشابہت اختیار کرے گا وہ اتنا ہی اچھا گیم تصور کیا جائے گا۔اب اس گیم کی ورچول دنیا کو اگر ہم اعلیٰ قسم کے سائنسی آلات کے ساتھ جوڑ کر اس کو حقیقی دنیا سے جوڑیں تو یہ میٹاورس بن جاتا ہے اور اس کیلئے کافی ساری ٹیکنالوجیز کا استعمال کیا جاتا ہے جن میں ورچول رئیلیٹی، آگمنٹڈ رئیلیٹی، سینسر، ٹیکٹائل انٹرنیٹ،

ایکسٹینڈڈ ڈ رئیلیٹی ،مصنوعی ذہانت، ٹیلی کمیونیکیشن ،ڈیجیٹل ٹوئن، بلاک چین وغیرہ شامل ہیں۔

اوپر دی گئی مثال کے اندر میٹاورس کے تناظر میں یہ ہوگا کہ ایک انٹرنیٹ پر ورچول دنیا ہوگی اور اس ورچول دنیا میں ملک ،شہر،سڑکیں، مکان، گاڑیاں، چوراہے،انسانی کردار جنہیں آواتار Avatar بھی کہا جاتا ہے موجود ہوں گے یعنی اصلی دنیا کی ہوبہو ایک نقل بنائی جائے گی۔یعنی ابھی ہم شاپنگ کیلئے شاپنگ سینٹرز میں حسّی طور پر یا جسمانی طور پر جاتے ہیں۔ٹیکنالوجی جس طرف جارہی ہے اس میں ہم شاپنگ سینٹرز میں جائیں گے مگر ورچول شاپنگ سینٹرز کے اندر،یعنی انٹرنیٹ پر خرید وفروخت آہستہ آہستہ ورچول ورلڈ یا میٹاورس کی طرف چلی جائے گی۔آپ کے ورچول آواتار ہوں گے جو کہ دوسرے آواتار وں کے ساتھ تعامل کریں گے اور اس ٹیکنالوجی کے اندر مصنوعی ذہانت کا استعمال بھی بہت عام ہوگا۔اور میٹاورس پر جو خرید وفروخت ہوگی وہ کرپٹوکرنسی سے ہوگی،اوراین ایف ٹی کی مدد سے ڈیجیٹل اثاثوں کو محفوظ بنایا جائے گا اوران کی خرید وفروخت کا ریکارڈ رکھا جائے گا۔اب وہ سبزی بیچنے والا بجائے اس کہ اپنی ویب سائٹ بنائے، اب ورچول دنیا یعنی میٹاورس میں اس کی باقاعدہ ایک ورچول سبزی کی دکان ہوگی اور وہ دکان ویسی ہی ہوگی جیسی کی اصلی ہو یعنی اس میں مختلف سبزیاں رکھی ہوئی نظر آرہی ہوں گی۔اب صارف کا ورچول کردار یعنی آواتار روڈ پر چلتا ہوا اس دکان میں داخل ہوگا اوراس جگہ پر جائے گا جہاں پر ہرادھنیا رکھا ہوا ہوگا اوراس کو اٹھا کر وہ نہ صرف یہ کہ دیکھ سکے گا بلکہ اس کی خوشبو بھی سونگھ سکے گا اور پھر وہ اپنی پسند کا تازہ ہرادھنیا آ ڈرکردے گا۔پھر وہ دکان دار اس کے گھر پر وہ اصلی ہرے دھنیے کی گڈی پہنچادے گا۔

میٹاورس کو استعمال کرتے ہوئے کمپیوٹر سائنسدانوں کا ویژن یہ ہے کہ ورچول دنیا کو اصلی دنیا کے ساتھ جوڑا جائے اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کو وہ حقیقی احساس اور تجربہ دلایا جائے جو کہ ہم حقیقی اور اصلی دنیا میں محسوس کرتے ہیں۔یعنی ورچول دنیا میں حواس خمسہ بھی انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کو کسی حد تک محسوس ہوں گے اوراس کیلئے مختلف آلات جیسے Meta Quest 2 VR Headset کا استعمال ہوگا جو کہ اس وقت تقریباً ساڑھے چارسو امریکی ڈالر میں مل رہا ہے۔گوکہ اس وقت یہ زیادہ تر کمپیوٹر گیم میں استعمال ہورہا ہے مگر کمپیوٹر سائنسدانوں کا ویژن اس سے کہیں آگے کا ہے۔مثلاً اگر میٹاورس میں کسی نے آپ کو مکا مارا تو آپ کو مکے لگنے کا احساس ہوگا اور اگر کوئی ڈاکٹر ریموٹ سرجری کرے تو اس کو ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اصلی مریض کی سرجری کررہا ہے۔

سائنسی طور پر میٹاورس کے تناظر میں ابھی بھی بہت کام کی ضرورت ہے اور بہت سارے سائنسی سوالات کے جوابات دینا باقی ہیں۔دنیا بھر کے کمپیوٹر سائنسدان مختلف جہتوں سے اس میٹاورس ٹیکنالوجی پر کام کررہے ہیں کہ ورچول تخیلاتی دنیا کو حقیقی دنیا کے ساتھ جوڑا جائے اوراس میں ڈیجیٹل ٹوئن اور سائبر

فیزیکل سسٹم ٹیکنالوجیز بھی شامل ہیں۔ اسی میٹاورس ٹیکنالوجی کو لیتے ہوئے بڑے بڑے سرمایہ دار پیسے بنانے لگ گئے ہیں۔ مثلاً میٹاورس میں استعمال ہونے والے کپڑے، جوتے، ڈیجیٹل زمین، بندوقیں، اور دیگر ڈیجیٹل اثاثوں کی خرید وفرخت شروع ہوگئی ہے اور یہ سارے ڈیجیٹل اثاثے محض ورچول، تخیلاتی اور ڈیجیٹل طور پر موجود ہیں اور یہ ڈیجیٹل اثاثے اصلی اور حقیقی دنیا کے اثاثوں، کرداروں اور چیزوں کی نمائندگی نہیں کرتے۔ اسی طرح مختلف کمپنیاں اپنی اپنی مصنوعات کا ڈیجیٹل ورژن میٹاورس کیلئے بنا رہی ہیں۔ مثلاً کپڑے اور جوتوں کی مشہور کمپنیاں ڈیجیٹل کپڑے اور جوتے میٹاورس کیلئے بنا رہی ہیں۔ نیز میٹا ورس پر ڈیجیٹل زمین کی خرید وفروخت ہورہی ہے اور ایک ہی زمین کے اثاثے کو مختلف کمپنیاں این ایف ٹی بنا کر بیچ رہی ہیں اور ان کی قیمت لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے تک پہنچ گئی ہے۔ اس سارے عمل سے سائنسی دنیا میں بھی کئی سوالات جنم لینے لگ گئے ہیں مثلاً ایک ہی شخصیت کے مختلف کردار اگر ورچول دنیا میں بنائی جائیں گے تو پرائیوسی کا خیال کس طریقے سے رکھا جائے گا؟ نیز کون اس ساری ورچول دنیا کو کنٹرول کرے گا؟ ان ورچول ڈیجیٹل اثاثوں کی حقیقی دنیا میں کیا حیثیت ہے جبکہ وہ حقیقی اثاثوں کی نمائندگی نہ کرتی ہوں۔

میٹاورس پر تعامل کرنے کے لئے ہمیں بنیادی طور پر دو چیزیں اچھی طرح سمجھنی ہوں گا۔ پہلی اہم بات تو یہ کہ جیسا کہ ہم نے مندرجہ بالا مثال میں بتایا کہ کوئی صارف کس طریقے سے میٹاورس کا استعمال کرتے ہوئے ہرے دھنیے کی گڈی کو انٹرنیٹ سے خرید سکتا ہے اور اس کو یہ خریداری کرتے وقت اصلی اور حقیقی دنیا کے قریب لایا جارہا ہے اور اس کو وہی احساس اور تجربہ دیا جارہا ہے جو کہ حقیقی دنیا میں خریداری کے وقت ہوتا ہے تاکہ صارف بہتر طریقے سے خریداری کرسکے۔ نیز اس مثال میں بالکل واضح ہے کہ میٹاورس میں ڈالا گیا ڈیجیٹل اثاثہ (ہرے دھنیے کی تصویر یا ویڈیو) حقیقی دنیا کے اثاثے یعنی اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی کرتی ہے اور یہ اسی صورت کے مشابہ ہے جس میں صارف ویب سائٹ سے خریداری کرتا ہے۔ اب اس صورت میں مفتیانِ کرام یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس طرح کی بیع وشراء (خرید وفروخت) اس صورت میں جائز ہوگی اگر شریعتِ مطہرہ کے متعین کردہ بیع وشراء کے اصولوں کو مدِ نظر رکھا جائے۔ یعنی بیع درست ہونے کے لئے مجموعی طور پر سات شرائط ہیں جو بیع کے منعقد اور صحیح ہونے کیلئے ضروری ہیں۔ پہلی شرط: مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز مال ہو، دوسری شرط: مبیع مُتَقَوَّم ہو، تیسری شرط: مبیع موجود ہو، چوتھی شرط: مبیع مملوک ہو، پانچویں شرط: مبیع مقدور التسلیم ہو، چھٹی شرط: مبیع معلوم ہو، ساتویں شرط: مبیع بائع کے قبضے میں ہو۔(۱)

اہم بات یہ ہے کہ ہم نے صرف مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز کی شرائط ذکر کی ہیں اور اس کے علاوہ بھی شریعتِ مطہرہ میں بیع وشراء کے حوالے سے کئی شرائط موجود ہیں مثلاً بیع کی حقیقت اور اس کے منعقد

(۱) فقہ البیوع، اسلام کا نظامِ خرید وفروخت، جلد ا

ہونے کی شکلیں جن میں ایجاب وقبول کیا حکام، عاقدین سے متعلق احکام، مبیع وثمن سے متعلق احکام، صلبِ عقد سے متعلق شرائط وغیرہ شامل ہیں، جن پر عمل کرنا بیع وشراء کے لئے ضروری ہے اور مزید تفصیلات حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب فقہ البیوع اسلام کا نظام خرید وفروخت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اب ہم مثالوں کے ذریعے سے سمجھتے ہیں کہ مفتیانِ کرام کے مطابق کن صورتوں میں میٹاورس پر خرید وفروخت جائز نہ ہوگی۔ یہ صرف کچھ صورتیں ہیں، ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ مزید تفصیلات کیلئے مستند مفتیانِ کرام اور دارالافتاء سے رجوع کریں۔

مثال نمبر ۱: میٹاورس پر ایک ورچول دکان پر ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر موجود تھی جو کہ اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی کرتی تھی۔ اب کوئی شخص اس ہرے دھنیے کی تصویر کو خرید لے مگر بیع مکمل نہ ہوئی ہو یعنی خریدار کا اصلی ہرے دھنیے کی گڈی پر ملکیت اور قبضہ مکمل نہ ہوا ہو تو اس ڈیجیٹل اثاثے یعنی ہرے دھنیے کی گڈی کو (یعنی ڈیجیٹل اثاثے کو) آگے فروخت نہیں کیا جاسکتا اور شریعت میں اس طرح کی خرید و فروخت باطل قرار پائے گی۔

مثال نمبر ۲: میٹاورس پر ایک ورچول دکان پر ہرے دھنیے کی گڈی کی تصویر موجود تھی جو کہ اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی کرتی تھی۔ اب کوئی شخص اس ہرے دھنیے کی تصویر کو خرید لے اور خریدنے کے لئے کرپٹو کرنسی کا استعمال کرے (جو کہ میٹاورس پر خریداری کے لئے کسی حد تک لازمی ہے) تو اس صورت میں چونکہ کرپٹو کرنسی شرعی طور پر سرے سے مال ہی نہیں اس لئے وہ ثمن نہیں بن سکتا، لہٰذا اس صورت میں بھی بیع باطل قرار پائے گی۔ یعنی خلاصہ یہ ہوا کہ ڈیجیٹل اثاثوں کی خرید وفروخت میں، اگرچہ وہ حقیقی اثاثوں کی نمائندگی کرتے ہوں، شرعی طور پر بیع وشراء کی تمام شرائط کو پورا کیا جائے گا تب کہیں جا کر اس طرح کی بیع و شراء کی مفتیانِ کرام شریعت کے اصولوں کے مطابق اجازت دیں گے۔

دوسری اہم بات جس کی طرف ہمیں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ صورت ہے جس میں ڈیجیٹل اثاثے حقیقی اور اصلی دنیا کے اثاثوں کی نمائندگی نہ کرتے ہوں یعنی بس میٹاورس پر وہ ڈیجیٹل اور ورچول طور پر موجود ہوں اور یہی وہ صورت ہے جو کہ میٹاورس میں تقریباً استعمال ہورہی ہے جو کہ سائنسدانوں کے اس ویژن سے یکسر مختلف ہے جو کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ یعنی ہرے دھنیے کی مثال کے تناظر میں سبزی کی ورچول دکان میں ہرے دھنیے کی گڈی موجود ہو مگر حقیقی دنیا میں وہ اصلی ہرے دھنیے کی نمائندگی نہ کرتی ہو۔ لہٰذا اس صورت میں اگر کوئی خریدار آ کر اس طرح کی ہرے دھنیے کی تصویر (جو کہ ایک این ایف ٹی ہوگا اور ایتھریم کی بلاک چین پر بنایا گیا ہوگا) کو خریدتا ہے تو اس طرح کی خرید وفروخت میں شرعی طور پر کئی

شرائط کو پورا نہیں کیا گیا۔یعنی راقم کو یہ کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں ہورہی کہ اس مثال کے تناظر میں بیع وشراء کی شرعی شرائط سرے سے پوری ہی نہیں ہورہی ہیں۔خیر،اول تو یہ کہ یہ معدوم کی بیع ہے،دوسرا یہ کہ یہ ہرے دھنیے کی تصویر شرعی طور پر مال کے زمرے میں نہیں آتی۔خلاصہ یہ کے اس ہرے دھنیے کی بیع کسی صورت شریعتِ مطہرہ میں جائز نہیں ہوسکتی۔مروجہ میٹاورس میں بس اسی طرح کی بیع وشراء ہورہی ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ اگر آپ صرف کسی مارکیٹ پلیس پر چلے جائیں مثلاً Open Sea تو وہاں پر لاکھوں بلکہ کڑوروں پاکستانی روپے کی مالیت کے ڈیجیٹل اثاثوں جن میں ڈیجیٹل کپڑے،ڈیجیٹل جوتے،ٹوپی،ہتھیار،ڈیجیٹل زمین وغیرہ شامل ہیں وہ خرید وفروخت کے لئے موجود ہیں اور لوگ جوق در جوق نہ صرف یہ کہ ان ڈیجیٹل اثاثوں کی تجارت کررہے ہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ منافع بھی کمارہے ہیں اور حقیقی طور پر یہ ڈیجیٹل اثاثے محض فرضی اور تخیلاتی طور پر موجود ہیں جن کو میٹاورس پر استعمال کیا جارہا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہم نے اپنی دی گئی مثال میں میٹاورس کو ایک پورا افسانہ بنادیا ہے اور اس افسانے میں ایک شخص کو میٹاورس پر ہرے دھنیے کی گڈی خریدتے ہوئے دکھایا ہے اور پھر میٹاورس پر خریدی گئی ورچوئل ہرے دھنیے کا حقیقی دنیا کی ہرے دھنیے کی گڈی پر مطالبہ بھی کیا جارہا ہے تو یہ دنیا میں کہاں ہوتا ہے اور کون اسے عقلاً درست سمجھتا ہے یا میٹاورس پر اس خریداری کا یہ مطلب ہوتا ہے؟ دیکھئے سب سے پہلے تو یہ سمجھئے کہ اس طرح کی ورچوئل ہرے دھنیے کا حقیقی دنیا کی ہرے دھنیے کی گڈی پر مطالبہ کرنا بالکل صحیح نہیں اور کوئی بھی اس کو عقلاً درست نہیں سمجھتا (جس کو ہم نے دوسری اہم بات میں واضح کیا ہے) نیز اگر یہ میٹاورس پر ہرے دھنیے کی گڈی اصلی دنیا کی ہرے دھنیے کی گڈی کی نمائندگی نہیں کرتی تو پھر کیا یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ میٹاورس پر کس ہرے دھنیے کی گڈی کی خرید وفروخت ہورہی ہے؟ ڈیجیٹل فرضی اور تخیلاتی ہرے دھنیے کی؟ بس سمجھ جائیے کہ جو حضرات اس طرح کی ورچوئل اثاثوں،کرپٹو کرنسی اور میٹا ورس پر خرید وفروخت کو جائز قرار دے رہے ہیں ان کو سائنسی طور پر سخت مغالطہ ہوا ہے اور ان کو اس کی سمجھ ہی نہیں کہ یہ خرید وفروخت محض ڈیجیٹل فرضی اور تخیلاتی دنیا میں ہورہی ہے اور اس کا حقیقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

دیکھیے بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے فقہاء کرام اس کی بیع کو جائز قرار نہیں دیتے حالانکہ پیٹ میں بچہ موجود ہے یعنی موجود مستور الحال کو بھی فقہاء کرام معدوم قرار دے رہے ہیں اور یہاں پر یہ ڈیجیٹل اثاثہ حقیقت میں موجود ہی نہیں اور پھر بھی معدوم کو معدوم نہیں سمجھا جارہا،افسوس صد افسوس! اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا معدوم چیز کی بیع جائز ہوگی؟

دینی مکاتب قائم کیجیے

مولانا امانت علی قاسمی ❖

ہمارا ملک جن مسائل سے جھوج رہا ہے اور جس طرح مسلمانوں کے لیے چیلنجوں کے انبار کھڑے ہوگئے ہیں، آئے دن نئے مسائل جنم لے رہے ہیں کبھی فرقہ واریت کے خلاف محاذ ہے تو کبھی این آر سی کا مسئلہ، ہجومی تشدد کے واقعات ہیں تو کہیں پر گئو رکچھکوں کی گنڈہ گردی، کسی شہر سے بہن بیٹیوں کے ارتداد کی دلدوز خبریں آتی ہیں تو کسی جگہ سے غیر مسلموں کے ساتھ مسلم بچیوں کی شادی کرنے کی دل فگار خبریں، منصوبہ بند فسادات نے مسلمانوں کی معیشت تباہ کردی ہے، نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ناجائز مقدموں میں جیلوں کی سلاخوں میں ہیں، بلڈوزر کلچر کو فروغ دے کر مسلمانوں میں خوف و دہشت پیدا کرنے کے نت نئے حربے آزمائے جارہے ہیں۔

حالیہ دنوں میں یکساں سول کوڈ کا مسئلہ مسلمانوں کو بے چین کئے ہوئے ہے کہ ہندوستانی مسلمان جواب تک اپنے عائلی مسائل پر عمل کرتے آرہے ہیں اور جسے انگریزوں کے زمانے میں بھی ایک آئینی حیثیت حاصل تھی، ملک کی آزادی کے بعد سے اب تک اسے قانونی حیثیت حاصل ہے اسے ختم کرنے کے لیے یکساں سول کوڈ نافذ کردیا جائے گا ایسے حالات میں ایک فکرمند مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہے کہ ترجیحی طور پر ہمارے لیے کام کا میدان کیا ہونا چاہیے؟ کن خطوط پر چل کر ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے لیے لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے، کس طرح ہندوستانی مسلمان اپنا مستقبل بہتر بناسکتے ہیں، ہندواحیاء پسند تحریکوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں، وہ کون سا راستہ ہوگا جس پر چل کر ہندوستانی مسلمان اپنے ایمان اور اپنے آنے والی نسلوں کے ایمان کا تحفظ کرسکتے ہیں اور ہندوستان میں اپنی تہذیب و تشخص کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں؟

ترجیحات طے کرنے کی ضرورت ہے

ظاہر ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے طویل منصوبہ بند جدوجہد کی ضرورت ہے اور جس انداز پہ اسلاموفوبیا کا زہر پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، مسلمانوں کے خلاف نفرت کا جو طوفان برپا کیا

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

گیا ہے اس کا مقابلہ بھی اسی درجہ پیار و محبت، اخوت و بھائی چارہ، خدمت خلق، انسانیت کا درد بانٹ کر کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں مسلمانوں کے ایمان و یقین کے تحفظ کے لیے اور نسل نو کے ایمان کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ دینی تعلیم کے نظم کے لیے مکاتب قائم کیے جائیں، کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کے اپنے اسکول ہوں جہاں پر عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی مکمل نظم ہو، لیکن جہاں پر یہ نظم نہیں ہوسکا ہے، وہاں پر مکاتب قائم کیے جائیں اور اس کو یقینی بنایا جائے کہ مسلمانوں کا ہر بچہ دینی تعلیم حاصل کرے اس لیے کہ جز وقتی تعلیم کے لیے وقت نکالنا اور ایک گھنٹہ یا دو گھنٹہ دینی تعلیم کے لیے فارغ کرنا اسکول کے بچوں کے لیے بھی آسان ہے۔ اس کے بغیر ہم اپنے بچوں کے ایمان کو نہیں بچاسکتے ہیں۔

دنیا کی برق رفتاری میں خدا بیزاری کا عنصر

اس وقت دنیا جس برق رفتاری سے محو سفر ہے، اور سائنس و ٹکنالوجی کی ایجادات نے جس طرح پوری انسانیت کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، آج انسانی دماغ جو روبورٹ بنا رہا ہے اس کے بارے میں ماہرین کی پیش گوئی یہ ہے کہ یہ انسانی دماغ سے آگے بڑھ کر کام کرنے لگے گا، ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ دو ہزار سال میں انسان نے انفارمیشن ٹکنالوجی میں ایسی ترقی نہیں کی ہے جس قدر اکیسویں صدی کے بیس سالوں میں کی ہے۔ آج کی صورت حال یہ ہے کہ انسان حسی دنیا سے ورچوئل دنیا اور فرضی دنیا کی طرف جا رہا ہے، اور فرضی دنیا میں زندگی گزار رہا ہے۔ آج ہندوستان سائنسی ترقی کی بنیاد پر چاند پر کمندیں گاڑ رہا ہے، جس کی تباہ کاری یہ ہوگی کہ سائنس کے ان ایجادات کے سامنے انسان کو خدا کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوگی، انسان اپنی عقل سے یہ فیصلہ کرے گا کہ اس دنیا کو چلانے کے لیے خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم اس تباہ کن دنیا میں قدم رکھ چکے ہیں، سائنسی ترقی کا سب سے پہلا منفی اثر مذہب پر پڑے گا اگر ہم نے اپنی نسل میں ایمان کا بیج نہیں بویا، ان کے اندر درست عقائد کا پودہ نہیں لگایا، اسلام کی اہمیت و عظمت اور خدا کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آخرت کے پیغام کا پانی ڈال کر ان کی عقیدے کی جڑوں کو مضبوط نہیں کیا تو ہماری آنے والی نسل کے دل ایمان سي خالی ہوں گے وہ نہ صرف تہذیبی ارتداد کا شکار ہوگی؛ بلکہ ملحد ہوگی جن کے پاس ٹکنالوجی کی طاقت کے سامنے کوئی دوسری طاقت قابل قبول نہیں ہوگی۔

تعلیم کے ذرائع میں مکتب کا مقام

انسان کی تعلیم و تربیت کے پانچ ذرائع ہیں۔ پہلا ذریعہ ماں کا گود ہے، ماں کے گود کو پہلا مدرسہ

کہا جاتا ہے، ماں کی تعلیم وتربیت بچے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن آج کل ماؤں کے پاس ہی دینی تعلیم نہیں ہے اور نہ ہی ان کا مزاج دینی ہے اس لیے بچوں کو قرآن اور کلمہ یاد کرانے کے بجائے موبائل دیے جاتے ہیں اور نیند لانے کے لیے دعا، کلمہ اور حمد کی لوریوں کی جگہ انہیں گانے سنائے جاتے ہیں اس طرح تعلیم کا پہلا مرحلہ دینی تعلیم کے حوالے سے ضائع ہو چکا ہے۔ دوسرا ذریعہ گھر کا ماحول ہے بچے گھر کے ماحول میں بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں اور اپنے بڑوں کو دیکھ کر ان کی نقل اتارنا چاہتا ہیں، آج گھر کا ماحول بھی دینی نہیں ہے، گھروں میں تعلیم وتربیت کے بجائے فون، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کی تباہ کاری صاف دکھائی دے رہی ہے؛ اس لیے یہاں بھی ناکامی ہاتھ آتی ہے۔ تیسرا ذریعہ اسکول ہے جہاں پر موجودہ صورت حال میں اسلام سے دور کرنے کی ہی کوشش ہو رہی ہے، نصاب میں ایسی چیزیں شامل کی جا رہی ہیں جس سے بچہ اسلام سے دور ہو جائے، خارجی پروگراموں کے ذریعہ بچوں کو ناچ گانے اور بے حیائی کا عادی بنایا جا رہا ہے، قومیت کے نام ہندوانہ تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش ہو رہی ہے اس لیے اس ذریعہ سے دینی تعلیم وتربیت کی توقع جنون اور پاگل پن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک ذریعہ مدرسہ ہے جہاں پر الحمدللہ دینی تعلیم وتربیت کی مکمل کوشش کی جا رہی ہے لیکن سماج کے صرف دو، ڈھائی فیصد بچے ہی اس ذریعہ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس طرح سماج کا ایک بڑا طبقہ اس ذریعہ سے بھی تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہے اس لیے اب ایک آسان راستہ رہ جاتا ہے کہ ہر محلّہ میں بلکہ ہر گلی میں مکتب قائم کیا جائے اور اس کو فیس کے نظام سے مربوط کیا جائے تاکہ اس کو چلانے کے لیے مزید کسی صرفے کی بھی ضرورت نہ ہو اور جو لوگ اسکولوں میں انگریزی تعلیم کے لیے مہنگی فیس دے کر اپنے بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں وہ کچھ فیس دے کر اپنے بچوں کو دینی تعلیم بھی دلائیں تاکہ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کی اہمیت بھی ان کے سامنے رہے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کی وصیت

اگر کوئی باپ یہ مانتا ہے کہ میرے بچوں کو ایمان پر باقی رہنا چاہیے، اگر وہ اپنے بچوں کو وہی وصیت کرنا چاہتے ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے اپنی آخری عمر میں معلوم کیا تھا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ اور بچوں نے جواب میں کہا تھا قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (۱) ہم آپ کے رب، اور آپ کے آباد واجداد ابراہیم علیہ السلام واسمعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کے رب یعنی ایک

(۱) بقرۃ آیت نمبر: ۱۳۴

خدا کی عبادت کریں گے اور ہم لوگ ان پر ہی اسلام لانے والے ہیں۔ اگر ہمارا یہ جذبہ ہے کہ ہمارے بچوں میں توحید کا پیغام زندہ رہے، اسلام اور کفر کا فرق ان کے دل و دماغ میں رہے وہ اسلام پر قائم رہیں، خدائی قانون کو اپنی زندگی میں لائیں، عبادات کی اہمیت ان کے رگ و ریشے میں پیوست ہو تو اسکول کی تعلیم کے ساتھ علاحدہ وقت میں مکتب کا نظم کرکے انہیں دینی تعلیم ضرور دلانی ہوگی۔ ورنہ وہ بچے اسکولی تعلیم حاصل کرکے ونحن له مسلمون کا سبق بھول جائیں گے۔

اسکولی تعلیم میں مذہب بیزاری

یہ ایک سچائی ہے کہ سرکاری سطح پر بچوں کو مرتد بنانے کی پوری تیاری کرلی گئی ہے، اور اس کے لیے اسکول کو یہ ہدف دیا گیا ہے اسی لیے اسکول کے نصاب سے لے کر طریقہ تعلیم، اور تربیت کے نام پر یوگا، سوریہ نمسکار، وندے ماترم، وغیرہ وہ تمام چیزیں منصوبوں میں شامل کردی گئیں ہیں کہ اس تعلیم کو پاکر بچہ سب کچھ بن سکتا ہے لیکن مسلمان باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ ایک اسکول میں بچے کے امتحان کے سوال میں یہ پوچھا گیا کہ بارش کون برساتا ہے؟ اور آپشن دیا گیا وشنو اوتار، کرشن اوتار یا رام اوتار ظاہر ہے کہ بچوں کو یہی پڑھایا گیا ہے کہ بارش یہ اوتار برساتے ہیں، بچوں کو یہی پڑھایا جارہا ہے کہ یہ زمین ہمیں غلہ دیتی ہے اس لیے صبح سویرے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس زمین کو نمن کریں، اس کے آداب بجالائیں، یہ سورج ہمیں کرنیں دیتی ہیں جس سے ہمارے جسم میں توانائی آتی ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ سورج کو نمن کریں اور اس طرح قومی تہذیب کے نام ہندو سنسکرتی کو فروغ دیا جارہا ہے۔

مکاتب اور دینی تعلیم کی اہمیت اکابر علماء کی نظر میں

اگر ہم اپنے بچوں کے ایمان کے لیے فکر مند ہیں، ان کے مستقبل کے لیے فکر مند ہیں ان کے آخرت کے لیے بے چین ہیں تو ہمیں ترجیحی طور پر مکاتب کے قیام پر توجہ دینی ہوگی اور کوشش یہ ہو کہ سماج کا کوئی بھی بچہ خواہ وہ غریب ہے یا امیر مکاتب کی تعلیم سے محروم نہ ہو۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول ہے: دینی تعلیم کے بغیر دنیوی تعلیم گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کے ۱۹۶۰ء کے اجلاس میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ مکاتب اور بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: دو باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں یا تو خدا نخواستہ اپنی نسلوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہوجائیں یا پھر اس فیصلہ کے ساتھ کھڑے ہوجائیں

کہ ہمیں اللہ کی مدد سے ایک ایک بچہ کو ارتداد کے اس طوفان سے بچانا ہے اور اس راستہ میں ہمیں جو محنت کرنی پڑے اور جو قربانی دینی پڑے اس سے دریغ نہیں کرنا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب فرماتے ہیں: اسلامیات کی حفاظت کے لیے مکاتب اور مدارس سے زیادہ مؤثر کوئی نہیں ہے۔ آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے وہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور بغیر اس ضروری تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو اپنے پیغمبر، اپنے عقائد اور فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں، اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت کوئی ترغیب، کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کرسکتی ہے اگر ہمارا یہ فیصلہ نہیں ہے تو حکومت کی کوئی رعایت، کوئی استثناء کوئی تحفظ، کوئی انتظام ہم کو فساد والحاد اور انحراف وارتداد سے بچا نہیں سکتا ہے جس ارتداد کی طرف دنیا تیزی سے بڑھ رہی ہے۔(۱)

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر مسلمان بچوں کے لیے بنیادی مذہبی تعلیم کا نظم نہ کیا گیا تو یقین کیجیے کہ بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد جب ہر انسان اپنے معاشی حالات میں گھر جاتا ہے تو ہماری آنے والی نسلیں اسلام اور اسلام کی تعلیم سے محروم ہوتی چلی جائیں گی اور اگر دینی امانت کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا فرض ادا کرنے میں ہم نے ذرا بھی کوتاہی کی تو آنے والے دور میں اسلام کے تحفظ وبقا کا مسئلہ سخت مشکل ہوجائے گا۔(۲)

مولانا محمد میاں صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر آپ اپنی مسجد کے اماموں پر لازم کردیں کہ وہ آپ کے بچوں کو مذہبی تعلیم دیں اور اس سلسلے میں آپ ان ائمہ کرام کی ضروریات زندگی کی تکفیل کرلیں تو آپ ہر قسم کی کدوکاوش سے نجات پاجائیں گے۔ آپ کی تہذیب بھی زندہ رہے گی، آپ کا مذہب بھی محفوظ رہے گا اور اس طرح اردو زبان بھی لازوال ہوجائے گی اور آپ ایک عظیم الشان فرض کو انجام دے سکیں گے۔(۳)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سہارن پور کے دینی تعلیمی کنونشن کے صدارتی خطاب میں دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: آج کے دور میں دینی تعلیم ہی ان کے لیے پناہ گاہ ہے ان کی مصیبت وپریشانی کا راز نہ عددی قلت میں پنہا ہے نہ زر ومال کی کمی میں؛ بلکہ

(۱) مکاتب کی اہمیت: اکابر امت کی نظر میں ۵ (۲) خطبات مجاہد ملت: ۲۷۳ (۳) البلاغ تعلیمی نمبر: ۲۰

بہت حد تک جہالت میں مضمر ہے آج جب کہ مذہب کی بنیادی تعلیم سے بھی واقفیت نہیں تو آخر ان کے پنپنے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ ہر بقا اور ہر ارتقاء کی پہلی سیڑھی تعلیم ہے جہالت سے آج تک نہ کسی قوم نے ترقی کی نہ اپنے کو باقی رکھ سکی آپ آخر کس توقع پر ہندستان میں جہالت کی زندگی بسر کر کے اس پر قانع بنے بیٹھے ہیں اور آپ کے سامنے کون سا نصب العین ہے جو جہالت کے ساتھ پروان چڑھے گا۔

اسی صدارتی خطاب میں حضرت حکیم الاسلامؒ مکاتب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں : آج ہم نے تعلیم کے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیا ہے ورنہ تعلیم کا مسئلہ جتنا اہم تھا اتنا ہی سہل بھی تھا ہر محلّہ میں مسجدیں تھیں اور ہر مسجد میں ایک میانجی کا وجود بھی لازمی تھا اور اس کی کوئی تنخواہ خاص نہ ہوتی تھی ، اہل محلّہ اس کے کفیل ہوتے تھے محلے کے بچے اس کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے اور وہ بہت سادہ اور معمولی طریقہ پر ان بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم وتربیت کا کفیل ہوتا تھا آج کون نہیں جانتا کہ ان غیر رسمی مکتبوں میں پڑھے ہوئے بچے جس حد تک دین اور دین کی بنیادی باتیں لے کر نکلتے اور دین کا پختہ نمونہ پیش کرتے تھے آج کے معمولی علماء ومشائخ بھی علم واخلاق کا وہ نمونہ پیش نہیں کر سکتے ۔ کیا ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ تعلیمی سلسلہ میں نئی ضرورتوں کے مطابق مساجد کی پرانی تعلیم کو پھر زندہ کریں جس میں ایک ہی شخص بچوں کی تعلیم و تربیت کا کفیل ہو، محلّہ یا بستی والے ایمانی جذبہ کے ساتھ ان کا خرچ برداشت کرلیں ۔ (۱)

(۱) خطبہ صدارت دینی تعلیمی کانفرنس سہارن پور، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، ۲۲

علم کی اہمیت وفضیلت
اور مسلمانوں کی عدم دلچسپی

مولانا محمد اسجد عقابی ❖

علم کی اہمیت وفضیلت اور مطالعہ کی قدر و قیمت کے متعلق مضامین کثرت سے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں، لیکن کچھ دنوں قبل سوشل میڈیا پر ایک مضمون "عباسی حکومت میں کتابوں اور کتب خانوں کی اہمیت " نظر سے گزرا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد موجودہ حالات کے پیش نظر چند باتیں ذہن میں آئیں، ذیل میں انہیں باتوں کو سپرد قرطاس کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مذہب اسلام کا پہلا حکم "اقرا" ہے،اوراس سے مذہب اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔کیا مسلم قوم اپنے آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر گامزن ہے یا پھر اس قوم نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔تعلیم وہ مقدس شے ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا تھا۔ علم کی حیثیت ہر زمانے میں مسلم رہی ہے اور صاحب علم ہر دور میں معزز شمار کیے گئے ہیں، علم کے زیور سے آراستہ قوم نے ہر صدی اور ہر قرن میں دنیا کی امامت کے فرائض کو انجام دیا ہے۔علم انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے اور انہیں تہذیب وثقافت کا علمبردار بناتا ہے۔تہذیب وثقافت کا تعلق علم سے ہے، علم کے بغیر انسان میں درندگی اور وحشیانہ پن کے سوا کچھ نہیں بچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ بجگہ علم اور اہل علم کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے۔ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:**قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون، إنما يتذكر اولو الالباب.** اے نبی کہہ دیجئے کیا اہل علم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں، یقیناً اہل دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔اس آیت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور غیر اہل علم کے درمیان ایک حد فاصل بنا دیا ہے۔دوسری جگہ اہل علم کی شان بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **إنما يخشى الله من عباده العلماء.** اہل علم ہی

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

اللہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ علم کی بنیاد پر انسان حقیقت ربانی سے واقف ہو جاتا ہے اور وہ ان باتوں کو بھی بخوبی جانتا ہے جس سے غیر اہل علم ناواقف ہوتے ہیں۔ علم کی بنیاد پر وہ بے شمار عجائبات ربانی کا مشاہدہ کرتا ہے اور زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہزاروں لاکھوں نشانیوں میں غور وفکر کر کے قربِ الٰہی کی لذت سے مسرور ہوتا ہے۔ علم کی بدولت انسان ان رازہائے سر بستہ کو کھولتا ہے جو نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ علم کی غواصی کر کے انسان ان موتیوں کو تلاش کر لاتا ہے جن کے تتبع کا امکان محال ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں نئی ٹیکنالوجی اور نت نئے وسائل علم کی پیداوار ہیں۔ تحقیقی میدان میں ہر آئے دن نئے نئے انکشافات علم کے متوالوں کے رہین منت ہیں۔ جب تک علم کے سمندر میں غوطہ لگانے والے موجود رہیں گے اس وقت تک نئی ایجادات کا سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اِنما بعثتُ معلما.**

میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اس حدیث سے علم اور اہل علم کی اہمیت وفضیلت مزید واضح ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی آمد کا مقصد علم کی ترویج واشاعت کو بتایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی ”اقرا“ کی صورت میں ہی نازل ہوئی ہے۔ جنگ بدر میں جب قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ درپیش ہوا اور مختلف آراء سامنے آئیں تو ان میں ایک یہ بھی تھی کہ قیدیوں میں جو لوگ پڑھنا جانتے ہیں وہ دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں، اور یہی تعلیم ان کی آزادی کا پروانہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے اپنے جانی و مالی اور اعدائے اسلام کی جان بخشی علم کے سکھانے پر موقوف کردی تھی۔ اس واقعہ سے علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علم کی جستجو اور تلاش میں سفر کرنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**من خرج فی طلب العلم، کان فی سبیل الله حتی یرجع،** جو علم کی تلاش میں نکلا، وہ اللہ کے راستہ میں ہے، یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔ قرآن مجید اور احادیث میں جابجا علم اور اہل علم کی اہمیت وفضیلت مذکور ہے۔ بلکہ ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے علم وحکمت کو مسلمانوں کا کھویا ہوا خزانہ قرار دیا ہے:

”**الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو احق بها**“

علم اور حکمت مسلمانوں کی کھوئی ہوئی پونجی ہے، جہاں ملے اور جیسے ملے اسے حاصل کر لینا چاہیئے۔

ابتداء اسلام میں یا اسلامی دور حکومت میں علم کی تلاش میں لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کا

سفر کیا کرتے تھے۔ ہزاروں میل اور کوس کا سفر طے کر کے ایک ایک حدیث اور ایک ایک مسئلہ معلوم کرنے کے لئے پہنچ جایا کرتے تھے۔ عمر عزیز کا بیشتر حصہ کسی صاحب علم کی خدمت اور علم کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہوئے گزار دیا کرتے تھے۔ عہد عباسی میں مسلمانوں کا علمی عروج اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ تمام خلفاء و وزراء اور امراء کے محل میں لائبریریاں تھیں، ایک بھی محل اس سے خالی نہ تھا، جیسا کہ اس کو ابوبکر بن یحیی الصولی کے اس واقعہ سے پتا چلتا ہے، اس نے ایک بار خلیفہ راضی باللہ سے کہا: ''لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے کہ ہمارے آقا نے اپنی علمی جلالت وعظمت کے باوجود خلفائے سابقین کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے محل میں لائبریری قائم کی ہے۔'' اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم بادشاہوں میں علم کی کتنی قدر تھی اور وہ خود علم کے کس قدر شوقین ہوا کرتے تھے۔ علم کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے خلفاء کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ کتابوں کی تصنیف اور اشاعت پر صاحب کتاب کو گراں قدر انعامات سے نوازا کرتے تھے۔ بغداد کا ''بیت الحکمۃ'' آج بھی اپنی جلالت شان کی وجہ سے جانا جاتا ہے، لیکن افسوس کہ اس کی حیثیت اب قصہ ماضی بن کر رہ گئی ہے، نہ تو اسے دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی گئی اور نہ ہی اسلامی مملکت میں اس کا متبادل قائم ہوسکا۔ کتابوں سے حد درجہ عقیدت، ان کو جمع کرنے کا شوق، ان سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ اور لگن، اپنے گھروں کو کتابوں سے سجانے کا ذوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ لوگ اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینے کو تیار ہوجاتے تھے۔ صاحب کتاب ہونا، اہل علم کی مجالس میں باعث فخر بات تھی۔ مسلمانوں کے قلوب میں علم کی اہمیت کو جاگزیں کرنے کے لئے عوامی سطح پر اور مساجد میں لائبریریاں قائم کی گئی تھی۔

جب تک مسلمانوں میں یہ ذوق وشوق باقی تھا اُس وقت تک مسلمانوں کا علمی دنیا پر علمی عروج قائم تھا۔ مسلم اطباء، سائنسداں، ریاضی داں، جغرافیاں داں اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین نے ایجاداتی کارنامے ایجاد دیئے تھے۔ مسلم ماہرین کے علمی کارنامے آج تک علمی دنیا میں قابل قدر نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، لیکن جب سے مسلمانوں نے علم سے دوری اختیار کی ہے اور علم سے اپنا رشتہ توڑا ہے، تب سے آج تک شاید کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکے ہیں۔ جس امت کے نبی ﷺ نے علم کی اہمیت و فضیلت کو واضح کرنے کے لئے خود کو معلم قرار دیا تھا، اسی نبی ﷺ کی امت آج علم سے دور ہوگئی ہے۔ اردو ادب کے مشہور ادیب ''جون ایلیا'' کا قول ہے: ''ہم ہزار برس سے تاریخ کے دسترخوان پر حرام خوری کے سوا کچھ نہیں کر رہے۔'' یہ قول کس قدر مبنی بر حقیقت ہے اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں تاریخ کا مطالعہ کرنا

چاہئے۔ہمیں یہ اندازہ لگانا ہوگا کہ گزشتہ چند صدیوں میں ہم نے کیا ایجاد کیا ہے اور کون سے علمی کارنامے ہمارے مرہون منت وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ عالم اسلام، موجودہ دنیا کے معیاری تعلیمی اداروں سے خالی ہے۔قابل افسوس امر یہ ہے کہ اس خلا کو پُر کرنے کی سعی بھی ہم نہیں کرر ہے ہیں۔موجودہ دنیا کے علمی کارناموں میں ہمارا کہیں کوئی ذکرنہیں ہے۔تحقیقات وریسرچ کے باب میں ہماری کوئی شناخت نہیں ہے۔ حتی کہ ہم مذہبی امور کی انجام دہی میں بھی دوسروں کی معاونت کے محتاج ہیں۔

اہل یورپ اور اہل امریکہ آج اس لئے قابل قدر نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں کہ ان کے یہاں اہل علم اور علم کی اہمیت ہے۔ان کے پاس دنیا کے بہترین تعلیمی ادارے ہیں۔ان کے پاس تحقیق وریسرچ کے بہترین انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ان کا تعلیمی معیار باقی دنیا سے بہت بلند اور اونچا ہے۔ان کے یہاں تعلیم زندگی کا جز لاینفک ہے۔اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ ہمارا رعب و دبدبہ اور ہماری شان وشوکت اسی وقت تک برقرار ہے جب تک ان میدانوں میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔دنیاوی سطح پر ترقی کے بام عروج تک پہنچنے کے لئے علم کی اہمیت وفضیلت سے اپنی قوم کو روشناس کرانا ضروری ہے۔

تاریخ کے اوراق اور اقوام عالم کے عروج وزوال اور نشیب وفراز کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ جو قوم زیور تعلیم سے آراستہ ہوتی ہے وہ بلندیوں کی طرف گامزن ہوتی ہے اور اسے عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

حیرت ہے کہ تعلیم و ترقی میں ہے پیچھے
جس قوم کا آغاز ہی اقراء سے ہوا تھا

قسط : ۳

امام ابو حنیفہؒ کی وحدانیات: ایک جائزہ

مولانا عصمت اللہ نظامانی ❖

امام ابو حنیفہ کی حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء زبیدی سے بلاواسطہ روایت: امام ابو حنیفہ حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ ایک روایت نقل کرتے ہیں، اور وہ درجِ ذیل ہے: **عن أبی حنیفة أنه قال: حججت مع أبی سنة ست وتسعین ولی ست عشرة سنة، فإذا أنا بشیخ قد اجتمع الناس علیه فقلت لأبی: من هذا الرجل؟ فقال: هذا رجل قد صحب محمدا ﷺ، یقال له عبد الله ابن الحارث بن جزء، فقلت لأبی: أی شیء عنده؟ قال: أحادیث سمعها من النبی ﷺ، فقلت: قدّمنی إلیه حتی أسمع منه، فتقدم بین یدی فجعل یفرج عنی الناس حتی دنوت منه فسمعته یقول: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من تفقه فی دین الله کفاه الله همه ورزقه من حیث لا یحتسب.(۱)**

ترجمہ: امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے ۹۶ھ میں اپنے والد کیساتھ حج کیا، اس وقت میری عمر سولہ سال تھی، وہاں میں نے ایک عمر رسیدہ شخص کو دیکھا جس کے اردگرد لوگ جمع تھے، میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں، ان کا نام عبد اللہ بن حارث بن جزء ہے۔ میں سوال کیا کہ ان کے پاس کیا چیز ہے (کہ لوگ جمع ہیں) تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے پاس حضور ﷺ سے سنی ہوئی احادیث ہیں، میں نے اپنے والد سے کہا کہ مجھے ان کے قریب کیجئے؛ تاکہ میں بھی سن سکوں، لہذا میرے والد مجھ سے آگے چلنے لگیا ور لوگوں کو مجھ سے دور ہٹانے لگے، یہاں تک میں ان صحابی کے قریب ہوکر سننے لگا، وہ فرما رہے تھے کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا، آپ فرما رہے

❖ جامعة العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(۱) ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ (ت ۴۶۳ھ)، جامع بیان العلم وفضلہ، الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، (ص:۶۶)

تھے: جو شخص اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیوں سے کافی ہو جائے گا (یعنی ختم کر دے گا) اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔

پانچواں صحابی حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہؓ: حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ انصاری صحابی ہیں، صلحِ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ (۱) اور امام ابوحنیفہ نے جو روایت ان سے بلاواسطہ نقل کی ہے، وہ روایت انہوں نے حضور ﷺ کے بجائے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سنی تھی، لہٰذا کسی کو یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ یہ عبداللہ بن ابی حبیبہ کوئی تابعی ہیں، بلکہ علامہ ابن عابدین شامی (۲) اور شیخ عبد الرشید نعمانی وغیرہ نے امام ابوحنیفہ کے اس شیخ عبداللہ بن ابی حبیبہ کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے۔ (۳)

امام ابوحنیفہ کی حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ سے بلاواسطہ روایت: امام ابوحنیفہ حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ سے بلاواسطہ ایک روایت نقل کرتے ہیں جو کہ درجِ ذیل ہے۔

عن ابی حنیفة عن عبدالله بن أبی حبیبة قال سمعت أبا الدرداء رضی الله عنه یقول :کنت ردیف رسول الله ﷺ فقال یا ابا الدرداء !من شهد ألا إله إلا الله وأنی رسول الله مخلصا وجبت له الجنة، قال فقلت له :وإن زنی وإن سرق فسار ساعة ثم عاد لکلامه قال فقلت :وإن زنی وإن سرق فسار ساعة ثم عاد لکلامه فقلت :وإن زنی وإن سرق فقال :وإن زنی وإن سرق وإن رغم أنف أبی الدرداء .(۴)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداءؓ کو یہ فرماتے سنا: میں حضور ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابودرداء! جس نے اخلاص کے ساتھ اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں اس کا رسول ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی، میں عرض کیا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری جیسے گناہ کیے ہوں؟ آپ ﷺ تھوڑی دیر چلے، اور پھر وہی کلام فرمایا تو میں نے دوبارہ عرض کیا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ حضور ﷺ تھوڑی دیر چلیا ور پھر وہی کلام فرمایا تو میں نے بھی وہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، اگرچہ اس نے چوری کی ہو، چاہے ابودرداء کو نا گوار ہی کیوں نہ لگے۔

---

(۱) الصیمری، أخبار أبي حنیفة وأصحابه، (ص:۱۸) والخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، (۴/۵۰)
(۲) ابن حجر العسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، رقم الترجمة ۴۶۳۹: (۷/۴۴)
(۳) ابن عابدین، محمد أمین بن عمر (ت ۱۲۵۲ھ)، ثبت ابن عابدین المسمی عقود اللآلی فی الأسانید العوالی، الناشر: دار البشائر الإسلامیة بیروت، ط ۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰م، (ص:۲۵۴)
(۴) النعمانی، عبدالرشید، التعلیق القویم علی مقدمة کتاب التعلیم، الناشر: لجنة إحیاء الأدب السندی، حیدرآباد، (ص:۶۵)

چھٹا صحابی حضرت واثلہ بن اسقع ؓ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے ہیں، اور کچھ عرصہ حضور ﷺ کی خدمت کرنیکا بھی ان کو شرف حاصل رہا ہے، ان کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ان کا انتقال سن ۸۶ھ کو ہوا۔(۱) اس حساب سے امام صاحب کی عمر اس وقت چھ سال تھی، اور یہ عمر سماع کے لیے کافی ہے، کیونکہ اکثر محدثین کے نزدیک بچے کا پانچ سال کی عمر میں حدیث کا سماع وغیرہ درست ہوتا ہے۔جیسا کہ مقدمہ ابن الصلاح میں ہے: **التحديد بخمس هو الذى استقرّ عليه عمل أهل الحديث المتأخرين .(۲)**

امام ابوحنیفہ کی حضرت واثلہ بن اسقع سے بلاواسطہ روایات : امام ابوحنیفہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے تین روایات بلا واسطہ نقل کرتے ہیں، اور وہ درجِ ذیل ہیں۔

پہلی روایت : **عن أبى حنيفة عن واثلة بن الأسقع، أن رسول الله ﷺ قال : دع ما يريبك إلى ما لا يريبك .(۳)**

ترجمہ: امام ابوحنیفہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو چیز تم کو شک میں ڈالیا سے چھوڑ کر شک میں نہ ڈالنے والی چیز اختیار کرو۔

دوسری روایت: عن أبى حنيفة رحمه الله قال : سمعت واثلة بن الأسقع رضى الله عنه يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا تظهرن شماتة لأخيك فيعافيه الله ويبتليك. (۴)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: اپنے بھائی کی تکلیف اور مصیبت پر ہرگز خوش نہ ہو، کہیں اللہ تعالیٰ اس کو عافیت دے کر تم کو اس میں مبتلا نہ کر دے۔

تیسری روایت: عن أبى حنيفة رحمه الله قال : لقيت سبعة من أصحاب

---

(۱) أبو يوسف، يعقوب بن إبراهيم (ت۱۸۲:ہ)، كتاب الآثار، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، (ص:۱۹۷) وابن منده، يحيى بن عبد الوهاب ۵۱۱ھ)، معرفة أسامى أرداف النبى ﷺ، الناشر: المدينة للتوزيع بيروت، ط۱۴۱۰:ہ، (ص:۷۹)
(۲) ابن عبد البر، الاستيعاب فى معرفة الأصحاب، رقم الترجمة ۲۷۳۸: (۱۵۶۳/۴)
(۳) ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن ۶۴۳ھ، علوم الحديث المعروف بمقدمة ابن الصلاح، النوع الرابع والعشرون، الناشر : دار ابن الجوزى القاهرة، ط۱۴۳۳:ھ ۲۰۱۲م، (ص:۶۹)
(۴) السيوطى، تبييض الصحيفة، (ص:۳۶)

رسول الله ﷺ وسمعت من كل واحد منهم خيراً. . . لقيت واثلة بن الأسقع وسمعته يقول :قال رسول الله ﷺ :لايظن أحدكم أنه يتقرب إلى الله بأقرب من هذه الركعات يعنى الصلوات الخمس .(۱)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے سات صحابہ سے ملاقات کی، اور ان میں ہر ایک کو میں نیکی کی بات کہتے سنا، میں واثلہ بن اسقع سے ملا تو میں انہیں یہ کہتے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ گمان نہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان پانچ نمازوں کے علاوہ کسی دوسری عبادت کے ذریعے جلدی قرب حاصل کر سکے گا۔

ساتواں صحابی: عائشه بنت عجردؓ: حضرت عائشہ بنت عجرد صغار صحابیات میں سے ہیں، بعض حضرات نے انہیں تابعیات میں شمار کیا ہے، لیکن ابن معین (۲)، علامہ خوارزمی (۳)، اور شیخ عبدالرشید نعمانی وغیرہ نے انہیں صحابیہ قرار دیا ہے (۴)۔ نیز ابن معین نے امام صاحب کی ان سے ملاقات اور روایت لینے کی تصریح بھی کی ہے۔ **حدثنا يحيى بن معين أن أبا حنيفة صاحب الرأى سمع عائشة بنت عجرد .(۵)**

امام ابوحنیفہ کی حضرت عائشہ بنت عجرد سے بلاواسطہ روایت:

امام ابوحنیفہ حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے بلاواسطہ ایک روایت نقل کرتے ہیں، اور وہ مندرجہ ذیل ہے۔ **عن أبى حنيفة عن عائشة بنت عجرد عن رسول الله ﷺ أنه قال: "إن أكثر جند الله فى الأرض الجراد وأنا لا آكله ولا أحرمه" (٦)**

ترجمہ: امام ابوحنیفہ حضرت عائشہ بنت عجرد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین پر اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ ٹڈیاں ہیں، میں نہ انہیں کھاتا ہوں، اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔

---

(۱) الخوارزمی، جامع المسانید، (۱/۸٦)

(۲) مناقب الإمام الأعظم أبی حنیفة للموفق، ۱/۲۸، الناشر : مکتبة إسلامیة کوئٹه، ط ۱۴۰۷: ہ

(۳) الذہبی، تجرید أسماء الصحابة، الناشر: دار المعرفة، بیروت، (۲/۲۸٦)

(۴) الخوارزمی، جامع المسانید، (۱/۲۵)

(۵) النعمانی، عبدالرشید، التعلیق علی مقدمة کتاب التعلیم، (ص:۴۴)

(٦) ابن معین، أبوزکریا یحی بن معین (ت 233: ہ)، تاریخ ابن معین - روایة الدوری، الناشر : مرکز البحث العلمی مکة المکرّمة، ط ۱۳۹۹: ہ، (۳/۴۸۰)، ابن حجر، أحمد بن علی (ت ۸۵۲: ہ)، لسان المیزان، دار البشائر الإسلامیة، ط ۲۰۰۲: م، (۴/۳۸۵)

قسط:۳

حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ
اور ادب اسلامی

مولانا سیف الرحمٰن ندوی❖

الندوۃ العالمیۃ للأدب الاسلامی

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی ان کتابوں نے جب اس زمانہ کے ادباء اور اصحاب قرطاس وقلم کے ذہن و دماغ میں ادب اسلامی کے اس متعینہ رخ کا بیج بو دیا اور اس کی بنیاد رکھ دی تو حضرت مولاناؒ کو خیال ہوا کہ کیوں نہ اس کی مقبولیت عامہ کے لیے ایک عالمی کانفرنس منعقد کی جائے اور اس میں حجاز ومصر اور فلسطین کے ادباء کو ایک جگہ جمع ہونے کی دعوت دی جائے، چناں چہ حضرت مولانا کی طرف سے دعوت نامہ بھیجا گیا اور نامور ادیب شیخ عبدالعزیز الرفاعی، جامعہ ازہر مصر کے متعدد اساتذۂ کرام، ڈاکٹر محمود زینی اور استاذ الاساتذہ علامہ عبدالرحمٰن حسن حبنکہ میدانی (شام) وغیرہ سمیت مصر، شام، خلیج عرب اور سعودی عرب کے نامور ادباء نے مولانا کی دعوت پر اس کانفرنس میں شرکت کی، یہ کانفرنس ۱۷/۱۸/۱۹/ اپریل ۱۹۸۱ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں منعقد ہوئی۔

یہ بات بھی سچ ہے کہ سید قطب شہید نے بھی جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے معاصر ہیں اور پوری دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں، اپنی تحریروں میں ادب اسلامی کی ضرورت واہمیت پر زور دیا، پھر ۱۹۶۱ء میں ان ہی کے بڑے بھائی استاذ محمد قطب نے ادب اسلامی کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ایک کتاب ”**منهج الفن الاسلامی**“ کے نام سے لکھی، پھر ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر نجیب گیلانی کی بڑی مشہور کتاب ”**الاسلامية والمذاهب الادبية**“ آئی، یہ کہنا چاہیے کہ ادب اسلامی پر یہ بڑی اہم کتاب ہے، اس کے بعد ڈاکٹر عماد الدین خلیل نے بھی ۱۹۷۴ء میں ”**في النقد الاسلامی المعاصر**“ کے نام سے ایک کتاب لکھی؛ لیکن یہ بھی سچ ہے اور اس پر سب کا اتفاق بھی ہے کہ ادب اسلامی باضابطہ طور پر ایک فن کی حیثیت سے اس وقت وجود میں آیا اور اس کے

❖ استاذ جامعہ رحمانی، مونگیر

اہداف ومقاصد طے ہوئے جب ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے ’’**الندوۃ العالمیۃ للأدب الاسلامی**‘‘ کے عنوان سے ندوہ میں ۱۷/۱۸/۱۹/اپریل ۱۹۸۱ء میں انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کی، جس میں پوری دنیا سے بڑے بڑے ادباء اور شعراء تشریف لائے تھے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی منعقد کردہ اس انٹرنیشنل کانفرنس کو ادب اسلامی کے باب میں پوری دنیا کے اندر بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا گیا، اس کی وجہ یہ بھی رہی کہ اس کانفرنس کا جو اعلامیہ تھا اور اس میں جو تجاویز پاس ہوئی تھیں وہ ادب اسلامی کے لیے کافی بنیادی اور اہم تھیں، جن سے ادب اسلامی کی خصوصیات، اس کی ضرورت واہمیت اور انسانی زندگی سے اس کی ہم آہنگی کا بہت ہی واضح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔(۱)

فکر بوالحسن کے چند نمائندے

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کوششوں سے ادب اسلامی کے عنوان پر ندوہ میں جو انٹرنیشنل کانفرنس منعقد ہوئی وہ بس ایک کانفرنس نہیں تھی؛ بلکہ ادب اسلامی کو موجودہ رنگ میں رنگنے اور موجودہ آہنگ عطا کرنے کا ایک نقطۂ آغاز تھا اور ایک تحریک کی بنیاد تھی، چناں چہ وہ سلسلہ یہیں پر نہیں رکا؛ بلکہ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں ریاض یونیورسٹی کے شعبۂ ادب کے چند قابل اور ذی استعداد اساتذۂ کرام نے اس کو تحریک کی شکل دینے کا فیصلہ لیا اور سید قطب شہیدؒ کے بڑے بھائی استاذ محمد قطب اور مشہور ادیب ڈاکٹر عبد العزیز الرفاعی کے مشورہ سے اس کی صدارت کے لیے حضرت مولاناؒ کا نام طے کیا گیا اور مولانا نے اس کو قبول بھی کیا، اس لیے کہ اس موضوع کے مولانا ہی علمبردار اور سرخیل تھے، چناں چہ اس موضوع سے ان کی مناسبت یقینی تھی۔ بہر کیف: مولانا کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی جن لوگوں نے مولانا کے اس فکر کی نمائندگی کی، اس کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا اور اس کو تحریک کی شکل دی، ان میں آپ کے تلامذہ اور قدردانوں کی بہت بڑی تعداد شریک ہے، جنھوں نے اپنے زبان وقلم سے ادب اسلامی کے خصوصیات و محاسن کو اجاگر کیا اور مولانا مرحوم کی فکر کو مظبوطی کے ساتھ پھیلایا، اس سلسلہ میں ریاض یونیورسٹی کے متعدد باصلاحیت اساتذۂ ادب کے علاوہ استاذ محمد قطب، ڈاکٹر عبدالعزیز الرفاعی، حضرت مولانا السید محمد الرابع الحسنی الندوی، حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ، حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ، حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن ندوی اعظمی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، پروفیسر محسن عثمانی اور مولانا تقی الدین ندوی وغیرہم کے نام قابل ذکر اور نمایاں ہیں۔

ادب اسلامی چوں کہ مولانا ہی کی زندگی میں تحریک کی شکل اختیار کر چکا تھا، اس لیے مدینہ منورہ

---

(۱) مستفاد: الغوری: سید عبدالماجد: أبوالحسن الندوی رائد الأدب الاسلامی، مط: بیروت، دار ابن کثیر دمشق، ط ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء، ص ۴۰

اور ریاض سمیت متعدد جگہوں پر اس کے پرائیوٹ دفاتر قائم کیے گئے، مولانا کی وفات سے ایک سال قبل ڈاکٹر عبدالقدوس ابو صالح کی کوششوں سے مدینہ منورہ میں عاملہ کا ایک اجلاس ہوا اور استنبول میں ایک سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ لیا گیا، جس میں اردو، عربی اور ترکی زبان میں مقالات پڑھے گئے۔

حضرت مولانا نے ادب اسلامی کے اردو شعبہ کا دفتر ہندوستان میں قائم فرمایا اور اپنے بھانجے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو اس کی ذمہ داری سونپی، حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کی کوششوں سے پہلا اجلاس ندوہ میں منعقد کیا گیا اور اس کے بعد ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں بھی اس کے اجتماعات ہونے لگے اور یہ سلسلہ چل نکلا، جیسا کہ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے لکھا ہے کہ اس کا اردو شعبہ سب سے زیادہ متحرک اور سرگرم رہا، مولانا رابع صاحب ندوی حفظہ اللہ نے پوری تندہی اور لگن کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا، کاروان ادب کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ بھی اپنی ادارت میں شائع کیا جو ہر لحاظ سے معتبر، ممتاز اور نمایاں رسائل میں شامل ہے۔(۱) اردو میں مولانا کی اس فکر کو ان کے جن تلامذہ اور اصحاب قلم نے اپنا موضوع بنایا اور اس کو پھیلانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا ان میں حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کا نام شامل ہی نہیں؛ بلکہ کافی ممتاز ہے۔

فکر بوالحسن کے ترجمان: مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کا بہت ہی گہرا ربط ضبط اور کافی مضبوط تعلق تھا، آپؒ حضرت مولاناؒ کے شاگرد تھے، حضرت مولانا کو آپؒ پر بہت زیادہ اعتماد واعتبار تھا، جس کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں حضرت مولاناؒ نے اپنی نیابت کے لیے متعدد جگہوں پر آپؒ کو بھیجا اور آپؒ نے وہاں جاکر بحسن وخوبی حضرت مولاناؒ کی نیابت کی، حتی کہ حضرت مولاناؒ نے فیصل ایوارڈ کی وصولی کے لیے بھی آپؒ ہی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، آپؒ نے بطریق احسن اس کام کو انجام دیا اور حضرت مولاناؒ کی ہدایت کے مطابق اس ایوارڈ کو اسلامی مراکز میں تقسیم کیا، اسی طرح مراکش عرب لیگ کے تعلیمی ادارہ ایسسکو کی جانب سے جب حضرت مولاناؒ کو ایوارڈ دینے کا فیصلہ لیا گیا تو وہاں بھی مولانا عبداللہ عباس ندویؒ ہی کو نمائندگی اور ایوارڈ کی وصولی کے لیے بھیجا گیا اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت مولاناؒ کو آپ پر، آپ کے علم وعمل پر اور آپ کی صلاحیت واستعداد پر کس قدر اعتماد وبھروسہ تھا۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے چوں کہ رکن تھے، اس لیے ہر سال تقریباً ایک بار حجاز مقدس حاضری ہو ہی جاتی تھی، ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے گھر ہی قیام فرمایا کرتے اور یہ بھی اپنے استاذ کا پورا خیال کرتے اور ایسے

---

(۱) مستفاد: میر کارواں: مولانا عبداللہ عباس ندویؒ، ص ۳۹۹۔۴۰۶

موقع پر ایک بڑی دعوت ضرور کرتے اور مکہ مکرمہ کی سربرآوردہ شخصیتوں کو بھی مدعو کر کے حضرت مولاناؒ کے قدردانوں کو حضرت مولاناؒ سے ملنے کا موقع فراہم کرتے۔ اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولاناؒ جب بھی کوئی اجلاس منعقد کرتے تو اس کی کامیابی کے لیے بہت کوشش کرتے اور خاص طور پر عرب اور دیگر ممالک کی شخصیتوں کو لانے میں بڑا کردار ادا کرتے تھے، ندوہ کا ۸۵ ؍سالہ جشن تعلیمی ہو یا فرق باطلہ کے رد میں منعقد ہونے والا اجلاس یا پھر ادب اسلامی کے عنوان پر منعقد ہونے والے دونوں اجلاس، ہر ایک کو بین الاقوامی اور انٹرنیشنل بنانے میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے قابل ذکر اور قابل قدر کردار ادا کیا تھا۔ اس طرح ہندوستان اور بیرون ممالک، ہر جگہ آپ نے حضرت مولانا کے دینی و علمی کاموں میں خصوصی دلچسپی لی اور ان کے دست راست بنے رہے، جس کا احساس خود حضرت مولاناؒ کو بھی تھا اور حضرت مولاناؒ اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے، چناں چہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ فرماتے تھے کہ ہمارے ساتھ خصوصی تعلق اور ہمارے دینی وعلمی کاموں میں تعاون جیسا مولانا عبداللہ عباس صاحب اور دوسری شخصیت مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے کیا وہ اور دیگر تعلق والوں کے مقابلہ میں بہت خاص اور زیادہ ہے'' (۱)

بہرکیف: حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فکروں کے سچے ترجمان اور نمائندہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام دینی، علمی، ادبی اور فکری کارناموں پر اپنے استاذ گرامی کا رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے، تازندگی اسی پر لکھتے اور بولتے رہے اور اسی کی دعوت بھی دیتے رہے، جیسا کہ مایہ ناز ادیب حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ نے لکھا ہے:

''مولانا عبداللہ عباس ندویؒ دعاۃ وادباء کی اس نسل کے چند انتہائی برگزیدہ افراد میں سے ایک تھے، جس نے عالی مقام مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خصوصی تعلیم وتربیت کا بھرپور اور بے اندازہ فیض پایا تھا اور علم وفکر، دعوت ومجاہدہ کے باب میں ان ہی کے رنگ میں رنگ گیا تھا اور ان کے میخانے سے اس نے اس طرح جام پر جام چڑھایا تھا کہ جس کے پاکیزہ اور مقدس نشے نے زندگی کے آخری لمحے تک اس کو مست رکھا، مولانا عبداللہؒ نے زندگی بھر اس مستی کا گن گایا، مزے لے لے کر اس کو بیان کیا، اس موضوع پر بھی بہت کچھ لکھا اور سرمایۂ افتخار سمجھ کے لکھا، وہ زندگی بھر اسی کیف ومستی کے داعی رہے اور اپنی تمام سرگرمیوں میں اسی محور پر گردش کرتے رہے، مولانا علی میاں ندویؒ کا رنگ وآہنگ اور علمی و فکری ڈھنگ ان کی تمام حرکات وسکنات سے چھلکتا تھا کیوں کہ یہ ان کے اعصاب پر سوار اور ان کی سوچ پر چھایا ہوا تھا'' (۲) اس لیے بلاتامل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ فکر بوالحسن کے سچے

---

(۱) دیکھیے: تعمیر حیات، مولانا عبداللہ عباس نمبر، ص ۱۵　　(۲) حوالۂ سابق: ص ۴۷

ترجمان تھے، چناں چہ مولانا علی میاں ندویؒ نے ادب کو جو اسلامی رنگ عطا کیا تھا، اسی کو اپنے قلم کی روشنائی بنا کر پوری مضبوطی کے ساتھ پھیلاتے رہے اور جو رخ انہیں استاذ محترم سے ملا تھا اخیر عمر تک اسی پر چلتے رہے

مولانا عبداللہ عباس ندوی اور ادب اسلامی

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ ان محققین علماء میں سے تھے، جن کو دینی علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ ساتھ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی جیسی متعدد زبانوں میں یکساں درک حاصل تھا، مولانا عبداللہ عباس ندویؒ یقیناً ایک فطری ادیب تھے، ان کی ہر تحریر میں فصاحت و بلاغت اور تعبیر وانشاء کی خوبیاں بہ درجۂ اتم موجود ہوتی تھیں، ان کو پڑھ کر ایسا لگتا تھا کہ یہ ان کا قلم نہیں، ان کی زبان نہیں: بلکہ ان کا دل بول رہا ہے ،ان کی تحریر میں بس آمد ہی آمد ہوتی تھی اور ہر لفظ میں جذب دروں نمایاں رہتا تھا، ایمان کی برکت، یقین کی مٹھاس، دین وعقیدہ، کتاب اللہ، رسول عربی ﷺ اور امت محمدیہ کی محبت کی چاشنی سے لبریز ہوتی تھی، یوں کہیے کہ ان کی تحریریں ادب اسلامی کی ایسی نمائندہ اور شاہکار ہوتی تھیں جن کا ورود صرف بندۂ مؤمن کے خانۂ خیال اور زاہد شب زندہ دار کے ذہن و دماغ ہی میں ہوسکتا ہے اور بس ۔مولانا مرحوم، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ سے بھی متأثر نظر آتے ہیں، اس لیے کہ طرز تحریر میں وہی جاذبیت، ایمانی حلاوت اور سحر انگیزی جو مولانا دریابادیؒ کا امتیاز تھی جابجا دیکھنے کو ملتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا دریابادیؒ کو آپ نے خوب پڑھا ہے اور طرز تحریر کے ساتھ ساتھ روح تحریر کو بھی جذب کرنے کوشش کی ہے۔ چناں چہ مولانا نور عالم خلیل امینیؒ نے لکھا ہے کہ ''کوئی اہل قلم، زبان کی خوبیوں پر بھرپور دسترس رکھنے اور اس میں اپنا طرز خاص بنا لینے کے باوجود بھی زندگی سے بھرپور ایسا ادب اس وقت تک تخلیق نہیں کرسکتا جس سے روح کو غذا، دل کو سکون، فکر کو بالیدگی اور عقیدے کو ایسی پختگی ملتی ہو جو قاری کے فکری سرچشمے اور اس کی سرگرمیوں کے سارے دھارے پر کنٹرول رکھتی ہو جب تک کہ اس کا دل بادۂ حب نبوی ﷺ اور اس عقیدے سے سرشار نہ ہو کہ آپؐ ہی امام الانبیاء، سید الرسل منیر راہ ہائے حیات و کائنات ہیں اور یہ کہ کسی مومن کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا، جب تک اس کو آپؐ سے، اپنی ذات، اپنی اولاد اور روئے زمین کی ساری محبوبات سے زیادہ محبت نہ ہو۔ مولانا عبداللہ عباسؒ کو اس معززانہ محبت اور شریفانہ عقیدے سے وافر حصہ ملا تھا، چناں چہ انہوں نے ایسا تابناک اور بابرکت ادب تخلیق کیا جو ہر باتوفیق اور باذوق قاری کو پڑھنے، استفادہ کرنے اور اس کی پنہائیوں میں موجود روشن فکر برگزیدہ سوچ اور بے نظیر خوبی کو اپنانے کی دعوت دیتا ہے''(۱)۔ (جاری)

(۱) حوالۂ ص ۳۷

قسط: ۳

قرآنِ کریم کی طب سے متعلق
آیات کا عصری تناظر میں مطالعہ

ڈاکٹر فہد انوار❖

قدیم اور جدید طب کے ماہرین امراض کی تشخیص اور آدمی کے مزاج کو سمجھنے کے لئے چہرے کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ مرض کی تاریخ لکھتے ہوئے یعنی history taking کے ساتھ معائنہ کرتے ہوئے عمومی معائنہ کے دوران مندرجہ ذیل جگہوں کا بالخصوص معائنہ کرتے ہیں:

آنکھوں کا (خون کی کمی انیمیا یا پیلاہٹ دیکھنے کے لیے)

چہرے کی رنگت دیکھنے کے لئے (نیلی، پیلی رنگت مختلف نوعیت کی بیماریوں کا پتی دیتی ہے)

بچوں میں پیشانی کا ابھار دیکھنے کے لئے

زبان، دانت اور منہ کا اندرونی حصہ

اندرونی پریشانی اور اضطراب بھانپنے کے لئے

جسمِ انسانی پر غور کیا جائے تو تمام اعضا میں اعتدال ہے۔ اسی اعتدال سے انسانی بناوٹ میں خوبصورتی اور ہم آہنگی ہے۔ دائیں اور بائیں طرف کے اعضاء تقریبا ایک جیسے ہوتے ہیں۔ دایاں اور بایاں ہاتھ بباز و، پیر اور ٹانگ، کان، ناک کی دونوں اطراف ایک ہی جتنے ہیں۔ اگر ایک طرف بڑا اور دوسری طرف چھوٹا ہو جائے تو معذوری تصور کی جاتی ہے۔ جن لوگوں کی ایک ٹانگ چھوٹی اور دوسری بڑی ہے انھیں مسائل کا سمنا ہوتا ہے۔ پھر جس عضو کی جہاں ضرورت ہے وہیں لگایا گیا ہے مثلاً ناک سامنے ہے پیچھے نہیں۔ اگر ناک پیچھے ہوتا تو کتنا مسئلہ ہو جاتا، کان بغل میں نہیں لگائے بلکہ مناسب جگہ پر لگائے گئے۔ ایسے ہی ظاہری اعضاء کی طرح جسم انسانی کے اندر قسم ہا قسم کی معدنیات اور دیگر اجزاء رکھے گئے مثلا ہڈیوں میں کیلشیم، فاسفورس وغیرہ ہیں۔ سوڈیم، کلورائیڈ، آئرن وغیرہ جسم کے اندر ایک متناسب مقدار

❖ مدرس کلیۃ العلوم الاسلامیہ اسلام آباد/ استاد شعبہ فزیالوجی راولپنڈی میڈیکل یونیورسٹی

میں موجود رہتے ہیں جو طرح طرح کے کام سرانجام دیتے ہیں۔ان میں سے کسی ایک کی کمی یا زیادتی بیماری کی صورت میں ظاہر ہورہی ہوتی ہے مثلاً گلوکوز کی زیادتی مرضِ شکر (ذیابیطس) کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔آئرن کی کمی انیمیا کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ان سب سائنسی انکشافات کو سامنے رکھ کر جب ہم ارشادالٰہی پر غور کرتے ہیں تو قرآنی صداقتوں کا قائل ہوکر دل سے اللہ تعالیٰ کی حسنِ تخلیق کی تصدیق کیے بغیر رہا نہیں جاتا۔خود اللہ تعالیٰ نے ایک سے زائد جگہ اپنی صفتِ تخلیق کے حسن کو بیان کیا ہے:

فَتَبارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخالِقِينَ (۱)

غرض بڑی شان ہے اللہ کی جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ.ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سافِلِينَ. (۲)

(یقیناً) ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلاً ما تَشْكُرُونَ. (۳)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے (مگر) تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

آیتِ کریمہ میں ایک تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تین عظیم نعمتوں کو ذکر فرما کر انسان کو شکر بجالانے کی تلقین ایک شکایت کے انداز میں فرمائی،تاہم اس آیت میں اور دیگر جگہوں پر بھی سماعت (سننے کو) بصارت پر مقدم کیا جس سے ایک عظیم فائدہ حاصل ہورہا ہے۔ہم پہلے اس مضمون کی دیگر آیات کو نقل کرتے ہیں پھر جس فائدے کی طرف اشارہ کیا اسے ذکر کریں گے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلاً ما تَشْكُرُونَ (۴)

کہہ دو کہ: وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا بنائے (مگر) تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعاً بَصِيراً. (۵)

ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا کہ اسے آزمائیں پھر اسے ایسا بنایا کہ وہ سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے۔

ان تمام آیات میں سننے کی حس کا ذکر دیکھنے کی حس سے پہلے ہے۔جنین پر کی جانے والی جدید طبی

---

(۱) المومنون:۱۴ (۲) والتین:۴،۵ (۳) المؤمنون:۷۸ (۴) سورۂ ملک:۲۳ (۵) سورۂ دہر:۲

تحقیقات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رَحم مادر میں سننے کی حس دیکھنے کی حس سے پہلے وجود پذیر ہوتی ہے۔پچیس ہفتے کا جنین صوتی محرک کا اثر قبول کرتا ہے۔سب سے آخری حس دیکھنے کی ہوتی ہے۔نومولود بچوں میں دیکھنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ قوت حاصل کر لیتی ہے۔

Inayat,Musaddiq.Development of Fetal Senses in The Journal of Perinatology Neonatology,2007:20(4),18-20Embryo

جَنین کی ارتقا کے متعلق آیات:

قرآنِ کریم کلامِ الٰہی ہے اور کتاب حکمت ہے۔اس سے ہدایت اخذ کرکے مرضیاتِ خداوندی پر چلنا دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔قرآنِ پاک سائنس، ریاضی، طب اور فلکیات وغیرہ کی کتاب نہیں۔اس کا مقصد ان سب سے بلند ہے۔قرآن پاک انسان کو اس کے مقصد اصلی (عبادت خداوندی) کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔قرآن پاک اپنے غرض وغایت اور موضوع میں دیگر تمام علوم وفنون کی کتب سے فائق ہے۔البتہ قرآن پاک میں بہت سارے ایسے اشارات ملتے ہیں جن کو سائنسی ترقیات کے باعث سمجھنے میں مدد مل رہی ہے۔ایک طب کو لیجیے۔قرآن پاک میں انسانی تخلق اور نشو ونما سے متعلق آیات موجود ہیں۔ہم ان میں سے چند کو دیکھتے ہیں اور پھر جدید طبی تحقیق کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔ان شاء اللہ اس سے قرآن کریم کی حقانیت اور عظمت مزید واضح ہوگئی۔

پہلے رحم مادر میں انسان کے وجود پانے سے لے کر اس کی نشو ونما کے متعلق طبی تحقیقات کا ایک خلاصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ موضوع کی تفہیم میں سہولت ہو۔جدید طب کی ایک شاخ کا موضوع ہی جنین کی ارتقاء ہے۔اس شاخ کو ایمبر یالوجی کہا جاتا ہے۔اس کے مطابق مرد وعورت کے جرثوموں کے ملاپ (فرٹیلائزیشن) کے نتیجے میں حاصل ہونے والا (زائیگوٹ) ٹیوب سے حرکت کرتا ہوا رحم کی اندرونی دیوار سے جڑوں کے ذریعے رابطہ قائم کرکے ارتقائی مراحل طے کرتا ہے۔اپنی خوراک رحم مادر تک آنے والے خون سے اخذ کرتا ہے۔یہ جسم جسے جنین بھی کہتے ہیں اپنے اندر زندگی کے آثار مثلاً سانس لینا اور اعضاء کی حرکت وغیرہ ظاہر کر دیتا ہے۔ایک مخصوص مدت کے بعد یہ وجود ایک علیحدہ حیثیت سے زندہ رہنے کے قابل ہوکر رحم مادر سے باہر آ جاتا ہے۔

جنین کی ارتقاء نمو سے متعلق جدید طبی تحقیقات کا خلاصہ ملاحظہ فرمانے کے بعد اب آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں۔ (جاری)

شخصیت سازی: چند بنیادی اصول

محمدارشد ربانی❖

مادر علمی دارالعلوم وقف دیوبند کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہتی ہے کہ طلبہ میں صلاحیت وصالحیت اور زمانہ شناسی پیدا ہو، ان کے اندر حالات سے آگاہی ہو، ان کی افکار میں پرواز ہو، جس کے لیے مختلف اور متنوع عناوین سے باخبر کرنے کے لیے محاضرات کا ایک بہترین سلسلہ سال کے مختلف اوقات میں دیکھنے کو ملتا رہتا ہے، جس کا مقصد طلبہ کی ذہن سازی، غور وفکر کی قابلیت اور اہلیت پیدا کرنا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی (The budding leadership) کے عنوان سے منعقد پروگرام تھا، جس میں جامعہ کے تمام طلبۂ تکمیلات وتخصصات کو شرکت کا حسین موقع ملا اور طلبہ نے ''موقع را غنیمت داں'' کا حق ادا کرتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ کیا، یقیناً یہ جامعہ کا انتہائی مستحسن اور لائق ستائش عمل ہے، اس کے لیے ہم جامعہ کے نائب مہتمم اور حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ڈائرکٹر حضرت مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب کے بے حد مشکور ہیں کہ انھوں نے ہمارے لیے اس قدر قیمتی اور با مقصد پروگرام کو منعقد کیا۔

یہ پروگرام طلبہ میں نئی امنگ، خودارادیت، نئے اصطلاحات، جدید طرز ونہج اور سائنٹفک طرزعمل سے باخبر کرنے کے لیے منعقد کیا گیا، اس پروگرام کا مکمل مواد اگرچہ قرآن وحدیث سے ماخوذ تھا؛ تاہم یہ طرزِ جدید ان مواد کو ذہن سے قریب تر کرنے میں کافی معاون ومددگار ثابت ہوا، اس بات سے تو آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ نئے اصطلاحات اور مجتمع مواد سے استفادہ کرنا کتنا سہل اور آسان ہوتا ہے، ہماری کتابوں میں ان مواد کا ذکر یکجا طور پر نہیں ملتا ہے؛ بلکہ ان مواد کی تلاش وجستجو میں مختلف کتابوں کی چھان بین اور مختلف جرائد ورسائل کی ورق گردانی ضروری ہے، جس کے بعد اس تک رسائی ہوسکتی ہے؛ لیکن ادارے کا یہ اہم اقدام ہم تمام طلبہ کے حق میں ایک مفید اور زریں فیصلہ تھا۔

اس پروگرام میں بنیادی طور پر بات کرنے کے طور طریقے، تخلیق انسانی کا مقصد، سوچ اور فکر میں گہرائی وگیرائی، اپنے جذبات کی صحیح اور درست ترجمانی، اپنی شخصیت کو نمایاں اور کامیاب بنانے کے ہنر اور

❖ متعلم شعبۂ تخصص فی الافتاء (سال دوم) دارالعلوم وقف دیوبند

گر سے لیس ہونے پر خصوصی مشق اور توجہ دلائی گئی، اپنی زندگی کو با مقصد بنانے میں آپ کا کردار اور رول کتنا اہم ہے اس کے خاص نکات سے طلبہ کی ذہن سازی کی گئی اور غور وفکر کے فوائد اور اس کے مثبت اور منفی زاویے سے مطلع کیا گیا، طلبہ میں قائدانہ اور جرأتمندانہ اقدامات کے ہنر سکھائے گئے، کسی چیز کو معمولی اور غیر ضروری سمجھنے کے بجائے اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلو پر غور کرنے سے متعلق باخبر کیا گیا، معمولی معمولی حرکت پر گہری نظر رکھنے کی تاکید گئی، اگر دو چیزیں باہم مربوط ہوں تو دونوں کے اتصال یا انفصال سے جو نتیجہ ماخوذ ہوتا ہو اس کو بھی پیش نظر رکھا جائے، آپ کا نقطۂ نظر کسی شخص یا حالات کے بارے میں کیا اور کیسا ہونا چاہئے اس پر بھی خصوصی توجہ دلائی گئی۔ آپ کسی کام کو کرنے سے پہلے اس کے مقصد کو متعین کریں، مقصد کو متعین کرنے میں غور وفکر سے کام لیں، ان کی باہم ترتیب کا پورا خیال رکھیں، دوبارہ غور وفکر کریں پھر از سر نو اس مقصد کی تعیین پر گہری نظر ڈالیں، یہ عمل آپ کے مقصد کو با مقصد اور نتیجہ خیز بنانے میں مؤثر کردار ادا کرے گا، یہ بات بھی اہم ہے کہ جس کام میں آپ مقصد متعین کرنا چاہتے ہیں، اس میں مندرجہ ذیل چیزیں ضرور ہوں (۱) وہ کام قابل پیائش ہو یعنی اس کی حد اور معیار تک رسائی ممکن ہو (۲) وہ کام قابل عمل ہو یعنی اس پر عمل کیا جاسکتا ہو (۳) وہ کام حقیقت پر مبنی ہو، محض خیالات وتوہمات نہ ہو (۴) اس کام کے لیے کوئی وقت خاص ہو (۵) اس کام سے جذباتی لگاؤ بھی ہو (۶) اس کام کا جائزہ لیا جاسکتا ہو۔

ذہن اور فکر : آپ اپنے ذہن کو ہمیشہ مثبت سوچ میں لگائیں، منفی سوچ سے ذہن کو صاف رکھیں، یہ بات یاد رکھیں کہ انسان کی سوچ ہر آن اور ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے، طرح طرح کے خیالات ذہن میں باری باری آتے ہیں، اس لیے جب آپ اس کا استعمال کسی چیز کو مثبت طریقے سے سوچنے اور سمجھنے پر نہیں کریں گے تو منفی خیالات اس میں گھر کر جائے گا، چوں کہ سائنسی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ذہن ایک دن میں تقریباً ۶۰/۷۰ ہزار مرتبہ بدلتا ہے؛ اس لیے اس سے مثبت سوچ پیدا کرنا خود اس کی ذمہ داری ہے، یہ بات ذہن نشیں رہیں کہ انسان کے ذہن میں تبدیلی دو ہی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے یعنی انسان صرف دو چیزوں سے ہی اپنے خیالات اور افکار کو بدل سکتا ہے (۱) اس کے ساتھ کوئی حادثہ رونما ہو جائے (۲) اس کا شعور بڑھ جائے، مثلاً: کوئی پروگرام ہو جس میں شرکت کر کے معلومات حاصل کرے یا باضابطہ وہ اس کی تعلیم حاصل کرے اور ذہن وفکر میں نمایاں تبدیلی پیدا کرے، ظاہر ہے کہ کوئی باشعور انسان اپنے اندر حادثہ کے ذریعہ تبدیلی پیدا کرنا نہیں چاہے گا؛ بلکہ یہ وہ طریقہ ہے جو اتفاقی طور پر کسی کے ساتھ پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں تبدیلی ہو جاتی ہے؛ جب کہ دوسرا طریقہ یعنی منصوبہ بندی اور پروگرامنگ کے ذریعہ تبدیلی لانا یہ اختیاری طریقہ ہے جسے ہر کوئی اختیار کر سکتا ہے۔ جب آپ کسی بھی چیز کو دیکھیں گے اور غور وتدبر سے کام لیں

گے تو اندازہ ہوگا کہ اس میں مثبت اور منفی دونوں پہلو ہوتے ہیں: کسی ایک پہلو پر نظر کر کے فیصلہ کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہوتا ہے، مثال کے طور پر ہم موبائل دیکھتے ہیں، اس میں مثبت اور منفی دونوں پہلو ہیں، مثبت پہلو یہ ہے کہ یہ ایسے ایسے کاموں کو انجام دے سکتا ہے جو انسان براہ راست نہیں کر سکتا ہے؛ یہ اس کا مثبت پہلو ہے اور اس میں منفی پہلو یہ ہے کہ اس کو بعض لوگ غلط طریقوں سے استعمال کریں گے اور موبائل کے استعمال کے باعث بعض لوگ محض تماشا بین اور مشاہد بن کر رہ جائیں گے، یہ اس کا منفی پہلو ہے۔

گفتگو کے آداب: جب کوئی انسان کسی سے بات چیت کرتا ہے تو وہ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں تین چیزیں بطور خاص استعمال کرتا ہے (۱) حرکات وسکنات (۲) الفاظ (۳) لب ولہجہ۔

ان تینوں کی مدد سے انسان اپنی بات کو دوسروں تک مؤثر انداز میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اس میں سب سے زیادہ مؤثر کردار حرکات وسکنات کا ہے پھر لب ولہجہ ہے، الفاظ کی حیثیت بہت معمولی ہے، جب آپ کسی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو چند چیزوں کا خیال رکھنا آپ کے لیے بے حد ضروری ہے (۱) دونوں کے درمیان کچھ دوری اور مناسب فاصلہ ضرور ہو (۲) آپ کے چہرے کے اثرات معتدل اور خندہ ہوں (۳) وقفہ وقفہ سے آپ ان کی جانب دیکھتے رہیں (۴) کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی مخصوص ہیئت کا پورا خیال رکھیں (۵) ہاتھ پاؤں ہلانے میں افراط وتفریط سے کام نہ لیں (۶) دوران گفتگو بدن کے کسی حصہ کو چھونے سے گریز کریں، اس طرح سے آپ اپنی بات کو مؤثر اور پختگی کے ساتھ پیش کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

خطاب کو مؤثر بنانے کے طریقے: جب آپ کسی مجمع کو خطاب کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لیے کچھ عمل نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں، سب سے پہلے مواد کو تلاش کریں، اس کے لیے مختلف کتابوں، انٹرنیٹ، اپنی سوچ اور اساتذہ کی مدد لے سکتے ہیں، اس کے بعد اس میں حذف و اضافہ اور ترمیم بھی کریں، جو ضروری امور ہوں ان کو بطور خاص نوٹ کریں اور غیر ضروری چیزوں کو حذف کریں، اس کی ترتیب کیا ہو سکتی ہے، اس پر گہری نظر ڈالیں اور ممکن ہو تو مختصراً اس کا کوئی نوٹ بنائیں؛ تاکہ آپ سے کوئی نکتہ چھوٹ نہ جائے، اس کے بعد مشق کریں اور خود میں اعتماد اور یقین پیدا کریں پھر پلیٹ فارم یعنی اسٹیج پر اپنی بات رکھیں، اس طرح آپ اپنی گفتگو میں مواد کی فراوانی کے ساتھ لب ولہجہ کے حسین جادو سے پورے مجمع کو سحر زدہ کر دیں گے، دوران گفتگو سانس کو کم زیادہ کرنا بھی خطابت میں مفید اور فائدہ مند ہے، کبھی آواز کو پست کریں تو کبھی بلند کریں، مجمع کے تمام لوگوں کی جانب دیکھنے کی کوشش کریں؛ تاکہ مجمع کے لوگوں کو محسوس ہو کہ خطیب ہمیں ہی دیکھ رہا ہے، اس سے آپ کی بات ان کے لیے مفید مطلب ثابت ہوگی، اپنے اعضاء وجوارح کو بھی ایک خاص طریقہ پر حرکت دیں، جس سے آپ کی بات باوزن اور

پرلطف ہو، آپ کا لباس بھی حسین اور دیدہ زیب ہو؛ کیوں کہ اس کا بھی سامعین پر گہرا اثر ہوتا ہے، آپ لفظوں کے انتخاب میں سامعین کا بھرپور خیال کریں؛ تاکہ خطاب کا مقصد فوت نہ ہو جائے۔

سوچ کیسے بدل سکتے ہیں: آپ یومیہ ۱۰ سے ۱۵ مرتبہ اگلے دن کے لیے سوچیں، اس سے آپ کی سوچ میں ترقی ہوگی، کام میں سہولت اور نتیجہ میں آسانی پیدا ہوگی، آپ یومیہ خود اپنے بارے میں سوچیں کہ آپ خود کو فی الحال کیسا سمجھتے ہیں اور آئندہ خود کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں اور اس میں کس حد تک کامیاب ہیں اور مزید کس قدر کوشش کی ضرورت ہے، آپ کے دوست اور احباب آپ کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، آپ کے رشتہ دار اور محلّہ کے لوگوں کا آپ کے بارے میں کیا سوچنا ہے اور آپ ان لوگوں کی امیدوں پر کس درجہ میں اتر رہے ہیں، ہمارے یہاں عام طور پر دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ کوئی کیا کہتا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ ایک منفی سوچ ہے، جس میں تبدیلی لانا ضروری ہے، ایسے موقع پر ہماری ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے مثبت سوچ کے مطابق خود کو ڈھال لیں اور اگر ان کی سوچ غلط ہے تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ انسان کے ذہن میں وقتاً فوقتاً جو خیالات آتے ہیں، ان کی شکل اور نوعیت مختلف ہوتی ہیں، ہم ان میں سے چند کا تذکرہ یہاں کرتے ہیں (۱) اپنی شخصیت سے ناواقفیت یعنی ہم کچھ نہیں کر سکتے یا ہم سے یہ نہیں ہو سکتا (۲) کسی چیز کے متعلق یہ تصور پیدا کرنا کہ یہ کچھ نہیں ہے یا یہی سب کچھ ہے (۳) کسی چیز کے اندر غیر معمولی عموم پیدا کرتے ہوئے اہمیت نہ دینا (۴) مبالغہ آرائی سے کام لینا بھی منفی خیالات کی غمازی کرتا ہے یعنی کسی میں ایسی خوبی بیان کرنا جو اس میں نہ ہو (۵) کسی چیز کے مثبت پہلو سے صرف نظر کرکے منفی صورتوں کی پیش گوئی کرنا بھی منفی افکار و خیالات کا حصہ ہے، مثلاً کسی بیمار آدمی سے کہنا اسی مرض کی وجہ سے گزشتہ دنوں فلاں کی وفات ہوگئی، معلوم یہ ہوا کہ سوچ کی تبدیلی میں کامیابی سے ہم کنار ہونے میں ان منفی خیالات سے ذہن کو ہر وقت صاف رکھنا ضروری ہے۔

کامیابی کی شاہ کلید: جب آپ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور اس میں خود کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ اپنی خوبیوں پر نظر رکھیں، کوتاہیوں اور کمیوں سے اپنے حوصلہ اور عزائم کو پست نہ کریں، مواقع کی فراہمی خود آپ کی ذمہ داری ہے، خوب محنت کریں اور اپنا میدان خود بنائیے، جب آپ میدان علم و عمل کے شہسوار ہوں گے تو مواقع خود آپ کی تلاش میں گرد و پیش کے چکر کاٹیں گے، نیز ہر قسم کے خدشات سے اپنے ذہن کو صاف رکھنے کے ساتھ بہتر نتیجہ کی امید خدائے یگانہ پر رکھیں، یقیناً وہ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے، جس کام کو کریں اس کے جواز کی کم از کم ۱۰ وجوہات اپنے پاس ضرور رکھیں؛ اس سے ارادے میں استحکام اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

منزل کی جستجو میں کیوں پھر رہا ہے راہی ☆ اتنا عظیم بن جا کہ منزل تمہیں پکارے

قسط (۲۴)

علم کلام جدید

تعارف، مسائل اور مباحث: اصولِ نانوتوی کی روشنی میں

حکیم فخر الاسلام ❖

مقصد اور منفعت دونوں پر نظر رکھ کر دو باتیں ثابت ہوئیں: ۱- انسان کی تخلیق بے مقصد نہیں؛ بلکہ ایک مقصد کے تحت ہے کہ: ''بندہ اطاعتِ خداوندی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ ۲- اور اِس اطاعت کا نفع اسی کو ہے، اس لیے اطاعت خود بندے کے حق میں مطلب اصلی ہوگی [اور منفعت بخش بھی]۔''(۱) یہاں تک پہنچنے کے بعد اُس اسلوب پر بھی گفتگو کی جاسکتی ہے جسے حکیم الامت نے حدوث وقدم مادہ کی بحث میں اِختیار کیا ہے اور راقم الحروف بھی ماقبل کی متعلقہ بحث میں جاری کر چکا ہے۔ چناں چہ یہاں بھی ''الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ'' میں مذکور اصول موضوعہ نمبر۲ کا اِجرا کرتے ہوئے حدوث وقدم کی جگہ با مقصد اور بے مقصد پیدائش کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ: اگر ہم اِن سب دلائل سے قطع نظر کر کے علی سبیل التنزل انسان کی بے مقصد پیدائش کو محال نہ بھی کہیں؛ مگر بے مقصد پیدائش کے ثبوت کی بھی، تو کوئی دلیل نہیں، تو انسان کی پیدائش کا بے مقصد ہونا اور با مقصد ہونا، دونوں کا مساوی طور پر احتمال رہے گا۔ لہذا اِس صورت میں عقلاً دونوں شقوں کا قائل ہونا ممکن رہے گا؛ لیکن ایسے امور میں- جن میں دونوں جانبوں میں سے ہر جانب کے درست ہونے کا احتمال ہو- اگر مخبرِ صادق ایک شق متعین فرمادے، تو اُس کا قائل ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ (۲) یہ ایک اصول موضوعہ ہے کہ ''جو امر عقلاً ممکن ہو اور دلیلِ نقلی صحیح اُس کے وقوع کو بتلاتی ہو، اُس کے وقوع کا قائل ہونا ضروری ہے۔'' الخ (۳)

اِس اصول کی رو سے زیرِ بحث مسئلہ میں مخبرِ صادق خدا تعالی نے انسان کی با مقصد پیدائش کی شق

❖ فاضل درسیات، بی یو ایم ایس علی گڑھ۔ ایم ڈی یونانی جامعہ ہمدرد، دہلی

(۱) الامام نانوتویؒ- حکیم فخر الاسلام: ''تشریح حجۃ الاسلام''، ص ۵۵ تا ۵۸ حضرت نانوتویؒ مذکورہ بالا تمام اِقتباسات اِسی کتاب سے ماخوذ ہیں

(۲) حکیم الامت: ''الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ''، ''انتباہِ اول متعلق حدوثِ مادہ''، مجمع الفکر القاسمی الدولی دیوبند ص ۶۲، ۲۰۲۱ء

(۳) ایضاً: اصول موضوعہ ۲ ص ۳۵۔

متعین کردی، لہٰذا با مقصد پیدائش کا قائل ہونا ضروری ہے۔ چناں چہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان کو [دراصل] اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (اور تبعا و تکمیلا للعبادۃ خلقت جن وانس پر دوسرے منافع کا مرتب ہونا اُس کے منافی نہیں، اور اسی طرح بعض جن وانس سے عبادت کا صادر نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں، کیونکہ [عبادت کا صادر نہ ہونا تکوینی طور پر ہے اور] حاصل اِس ا لِیَعْبُدُوْنِ کا ارادہ تشریعیہ ہے، نہ کہ ارادہ تکوینیہ]۔

۶-معرفت حق

[☆ معرفتِ نفس اور معرفتِ رب کی بحث ☆ انسان کا اپنا پہچاننا خدا کے پہچاننے پر موقوف ہونا ☆ عقل کا وظیفہ]

معلوم ہونا چاہیے کہ حسبِ صراحت الامام نانوتویؒ: عقل ہر چیز کی حقیقت کے پہچاننے کے لیے بنائی گئی ہے، تو عقل کی رو سے یہ امر دریافت طلب رہ جاتا ہے کہ پہلی چیز لائقِ معرفت [و پہچان] کیا ہے؟ معرفت کے بعد عقل کی ہدایت کیا ہے اور عمل کے تقاضے کیا ہیں؟

اِس حوالہ سے الامام نانوتویؒ فرماتے ہیں: ''سب میں اول لائقِ شناخت وعلم، خداوند عالم ہے۔ کیوں کہ سب حقائق [وموجودات] اُسی کے [فیضِ] وجود سے ایسی طرح تاباں ہوئی ہیں، جیسے فرض کیجیے آفتاب سے دھوپ۔ اور ظاہر ہے کہ [دھوپ آفتاب کا ہی فیض ہے، چناں چہ] دھوپ کی حقیقت اِس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ ایک پرتوِ آفتاب ہے۔'' (۱) دھوپ ایک عارضی چیز ہے۔ 'عارضی' کہتے ہیں جو اپنے وجود کو باقی رکھنے میں دوسرے کی محتاج ہو۔ جس کی محتاج ہو اُسے 'اصلی' کہیں گے۔ اصلی کے بغیر عارضی کی حقیقت نہیں سمجھی جا سکتی۔ 'عارضی' اپنی حقیقت کے تعارف میں 'اصلی' کی محتاج ہے۔ (۲)

۞......۞......۞

(۱) الامام نانوتویؒ-حکیم فخر الاسلام: ''تشریح حجۃ الاسلام'' ص ۵۹۔

(۲) اِس گفتگو میں چند باتیں سمجھ لینا چاہئیں: ۱- دھوپ: دھوپ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک سطح عرضی ہے۔ سطح: جسم کے نہایت [کنارے] کو 'سطح' کہتے ہیں جس کا امتداد [جسے بُعد بھی کہتے ہیں] لنبائی اور چوڑائی میں ہوتا ہے، اُس میں گہرائی نہیں ہوتی۔ واجب الوجود: اِس کو وجودِ اصلی بھی کہتے ہیں۔ واجب الوجود اور وجودِ اصلی وہ کہلاتا ہے کہ کسی کے عطا کرنے سے اُسے وجود عطا نہ ہوا ہو؛ بلکہ جس کی ذات اُس کے وجود کی خود علت ہو، جو تمام ممکنات وموجودات کی اصل ہو، اُسی کو خدا کہتے ہیں۔ ممکن: جس کا وجود وعدم برابر ہو، موجود ہو بھی سکتا ہو، نہیں بھی ہو سکتا ہو اور جب موجود ہو، تو وجودِ اصلی کے فیض سے موجود ہو اور اپنی حقیقت کے تعارف میں 'وجود اصلی' کا محتاج ہو۔ اِس کو وجود عارضی بھی کہتے ہیں۔ انسان: کائنات کی تمام چیزوں کی طرح انسان بھی ایک ممکن اور عارضی شی ہے جس کی حقیقت کا تعارف 'موجود اصلی' کے تعارف پر موقوف ہے۔

خبر نامہ

احوال وکوائف

شخصیت سازی کے موضوع پر پانچ روزہ ورکشاپ کا انعقاد

مؤرخہ ۱۷ تا ۲۱ جمادی الاولی ۱۴۴۵ھ مطابق ۲ تا ۶ دسمبر ۲۰۲۳ء حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند کے زیر اہتمام The Budding Leadership کے عنوان سے طلبہ تخصصات و تکمیلات کے لئے قاعۃ الامام شاہ ولی اللہ الدہلوی، حجۃ الاسلام اکیڈمی میں پانچ روزہ شخصیت سازی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس کے لئے محترم جناب ڈاکٹر عبداللہ علی مرزا بیگ صاحب (حیدرآباد) کو بحیثیت ٹرینر مدعو کیا گیا، جس میں انہوں پانچ روز تک مختلف نشستوں میں مختلف موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی اور طلبہ کو عملی مشق کا بھی مکلّف کیا، اس دوران انہوں نے کہا کہ شخصیت فرد کے ذہنی، جسمانی شخصی، برتاؤ، رویوں، اوصاف اور کردار کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ انسان کے ظاہری و باطنی صفات ،نظریات اخلاقی اقدار، افعال احساسات اور جذبات سے منسوب ہے۔ اچھے اوصاف و اخلاق سے آراستہ لوگ انسانیت کے سفیر ہوتے ہیں اسی لئے زندگی کی بے شمار ترجیحات میں شخصیت کی تعمیر کو اولیت حاصل ہے۔ تعمیر شخصیت میں کردار کو بانکپن عطا کرنے والے عناصر کی پہچان بہت ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ شخصیت کی تعمیر میں انسان کی اپنی سوچ اور فکر کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ منفی سوچ اور خیالات کے زیر اثر ایک متوازن اور پسندیدہ شخصیت کی تعمیر ممکن نہیں ہے۔ اپنی بہتری اور ترقی کے لئے انسان کو بھی اپنے ذہن کی اصلاح ضروری ہے تا کہ کارکردگی کو بہتر بنا کر کامیابی کے راستوں پر گامزن ہو سکے۔ علاوہ ازیں اس پانچ روزہ پروگرام میں محترم ٹرینر صاحب نے ذہن سازی، باتوں کے مثبت و منفی اثرات، How Mind Works یعنی دماغ کس طرح کام کرتا ہے۔ ابھرتی ہوئی قیادت کی تشکیل میں فکر کا کردار، Stage Performance & Community Speech یعنی ہم کس طرح اسٹیج پر اپنی شخصیت اور اپنی بات کو مؤثر بنا سکتے ہیں اور مختلف المزاج لوگوں کے ساتھ تعامل وطریقہ کار جیسے موضوعات پر تفصیل سے گفتگو کی۔ اس دوران انہوں نے شخصیت سازی کے مراحل کو عصری تطبیقات کے ساتھ پیش کیا اور اس درمیان استعمال ہونے والی معاصر اصطلاحات سے بھی طلبہ کو روشناس کرایا۔ پروگرام کے آخر میں دارالعلوم وقف دیوبند کے روح رواں و مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب

مدظلہ نے کلیدی خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ نزول قرآن کے ساتھ ہی شخصیت سازی کا عمل شروع ہوگیا تھا، چنانچہ قرآن میں جہاں **یتلو اعلیھم** کہا گیا وہیں ساتھ ہی **یزکیھم** بھی کہا گیا ہے یہ اور اس طرح کے قرآن میں موجود دیگر اسالیب اس بات کی غماز ہیکہ شخصیت اور کردار سازی ابتداء سے ہی اہمیت اور التفات کا حامل موضوع رہاہے، مرور زمانہ کے ساتھ اس کی تعبیرات اصطلاحات اور تقاضے تبدیل ہوگئے ہیں، جسے عصری اسالیب و آہنگ میں سمجھنا انتہائی ضروری ہے، انہوں نے فرمایا کہ کہ تعمیر ذات میں علم کی کلیدی حیثیت ہے۔علم انسان کو خیر وشر سے آگاہ کرتا ہے اور جہالت سے آدمی کو ممتاز کرتا ہے۔علم ایک امکانی طاقت ہے لیکن جب اس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے تو یہ ایک حقیقی طاقت بن جاتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں ایمان علم کے ساتھ عمل کی تلقین مربوط نظر آتی ہے۔پاکیزہ علم دل اور دماغ کی تربیت کرتا ہے۔علم انسان میں کردار کی مضبوطی، ضبط نفس، سننے سیکھنے اور جاننے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔انہوں نے کہا کہ عمل شخصیت کے تعمیری عمل میں آخری پڑاؤ ہے لیکن یہ ازحد اہمیت کا حامل ہے۔شخصیت کی تعمیر کا ایک اسلامی اصول یہ ہے کہ آدمی اپنی کامیابی کو اللہ کے فضل وکرم سے تعبیر کرے اور کامیابی پر شکرادا کرے۔تکبر اور غرور کا ہرگز مظاہرہ نہ کرے۔ناکامی کی صورت میں اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لے اور صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ناامید ہونے کے بجائے دانشوری اور حکمت سے کام لیتے ہوئے کامیابی کے بہتر راستے ڈھونڈے۔پروگرام کے آخر میں حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے تمام شرکاء کو سند شرکت تفویض فرمائی، اس پروگرام میں مختلف حضرات اساتذۂ کرام بھی شامل رہے۔

ماہانہ امتحان کا انعقاد

ابتدائی عربی درجات کی غیر معمولی تعلیمی اہمیت کے پیش نظر حسب معمول سابق ماہانہ امتحان کا انعقاد مورخہ ۲۹ر جمادی الاولی ۱۴۴۵ھ کو کیا گیا۔اس امتحان کے لئے ادارہ کے حضرات اساتذۂ کرام کے علاوہ بیرون ادارہ سے بھی حضرات ممتحن مدعو کئے گئے۔امتحان میں طلبہ نے اپنی حسنِ لیاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا، وہیں حضرات ممتحنین نے بھی کلماتِ تحسین رقم فرمائے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کی۔

مہمان خانہ کی تعمیر

ان دنوں ادارہ میں مہمان خانہ کی تعمیری سرگرمیاں اپنے آخری مرحلے میں ہیں۔عمارت کی تعمیری تکمیل ہوچکی ہے، اندرون عمارت پتھر لگائے جاچکے ہیں، عمارت کی بیرونی دیواروں پر پتھروں کی تنصیب ہے۔ساتھ ہی برقی آلات کی تنصیب اور رنگ وروغن کا عمل بھی جاری ہے۔امید ہے کہ اس عمارت کے دیگر تعمیری مراحل جلد مکمل کرلئے جائیں گے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔ وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تاکہ اس کی تصدیق کرکے رسید ارسال کردی جائے۔

نوٹ: دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان 80-G کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، کارپوریشن بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

UNION BANK OF INDIA		
(1) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	372901010014039
BANK	:	UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	UBININ BBMRT
IFSC CODE	:	537292
AXIS BANK		
(2) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	915010029212886
BANK	:	AXIS BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	AXISINBB
IFSC CODE	:	UTIB0002426
HDFC BANK		
(3) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	50200002786907
BANK	:	HDFC BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	HDFC INBB
IFSC CODE	:	HDFC0001974

رابطہ کے لیے

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi
Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road
Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554

Ph: +91 8439512767
+91 8439412767
Email: rector@dud.edu.in
Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139
Postal Regd. No. RNP/SHN/005/ 2020-22

RNI UPURD/2010/32139
Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

Vol: 15
Issue: 07
Jamadil Thani 1445
Dec 2023 - Jan 2024

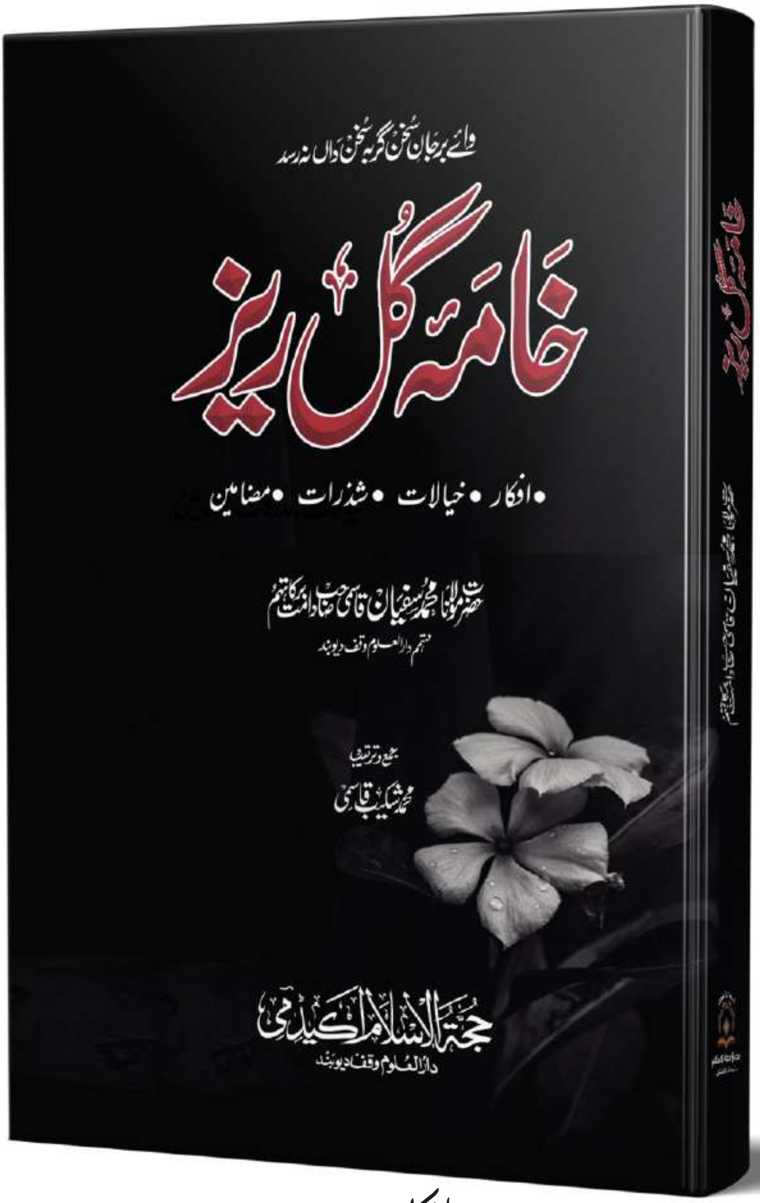

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالعلوم وقف دیوبند

+91 92599 87074

دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ

आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सी. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. मु. नगर/आ. आधि (तफ)/2009–10/9603

Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603